گاہے گاہے باز خواں

ڈاکٹر عابد پیشاوری

گاہے گاہے باز خواں

ہوئے۔ پھر جب تازہ دار فاتحین کی کثرت نے اس کو ایک اسلامی مستعمرہ بنالیا تو اجتماعی و ازدواجی اور بین الاقوامی اختلاط نے ایک نیا لہجہ پیدا کر دیا جو دکھنی کے نام سے مشہور ہوا ہے۔ اس کے اجزاے ترکیبی میں مفصلہ زبانوں کے الفاظ و محاورات داخل ہوئے۔

سیاسی نفوذ کی بدولت عربی، فارسی و ترکی الفاظ۔ دیسی بھاشاؤں (ملکی زبانوں) یعنی مراہٹی (جو گوڑ زبانوں میں سے ہے) اندھرا (تلنگی) تامل (اڑوی) کنڑی وغیرہ (جو ڈراوڈ زبانوں میں داخل ہیں) کے الفاظ۔ برج بھاشا کے الفاظ جو شمالی نو مسلم مہاجرین کی زبان تھی علاوہ ازیں کئی اور لہجوں کے الفاظ بھی داخل ہوئے حتیٰ کہ پرتگالی، فرنسی و انگریزی کا اثر بھی برابر پایا جاتا ہے۔ جب دکھنی کو عامۃ الناس نے اختیار کرلیا اور یہ فاتح و مفتوح اقوام کی متحد زبان بن گئی تو اس میں جلد تر نظم و نثر کا ظہور ہوا۔ چناں چہ بعض دکھنی منظوم و منثور کتب جو ہنوز موجود ہیں اس کا مادی ثبوت ہیں۔ برعکس اردو کے (جو غربی ہندی کی فرع ہے) کہ وہ مدت مدید تک بارآور اور مثمر نہ ہوئی۔ کیوں کہ رسمی (آفیشل) اور اعلیٰ [ص ۲] (کلاسیکل) فارسی زبان نے اس کی جانب معتنی نہیں ہونے دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو میں مغولیہ سلطنت کے زوال تک امیر خسرو کے دوہوں، مکرنیوں، پہیلوں۔ وغیرہ کے بجز کوئی مستقل نظم و نثر وجود میں نہیں آئی۔ اردو اور دکھنی کے علاوہ ایک اور اسلامی لہجہ ہے جو بحر ہند میں مشرقی افریقہ سے لے کر اسٹریلیا تک ہزاروں میل کے ارض و طول میں رائج ہے اس کا صحیح نام ملائو ہے۔ انگریزی خواں ملے اور عوام الناس مَلائی کہتے ہیں۔ مَلائو کو مَلیالم سے امتیاز کرنا ضروری ہے۔ کیوں کہ وہ ایک (جنوبی ہند یعنی ملیبار کی) دراوڑ زبان ہے۔ واضح خاطر ہو کہ یہ تینوں اسلامی مستقل لہجے مختلف الاصل ہیں۔ ایک

اُردُو والوں نے عَلیل سے بنایا ہو یا عِلّت سے لیکن علالت اُردُو میں مُستعمل ہے۔ اور چوُں کہ لفظ عَرَبی یا عَرَبی نُما ہے۔ اِس لیے دُوسرے الفاظ کی طرح اِس سے مُرکّبِ اِضافی بنانے کی بھی آزادی ہونی چاہیے۔

"عِمامہ۔ع۔(بالکسر) خود مغفر۔ دستار..... بالفتح عَمامہ غلط ہے۔"

اب یہی غَلَط لفظ عَمامہ رائج ہے۔ عِمامہ بالکسر کوئی نہیں بولتا۔

"عَمْد۔ع۔(بفتحِ اول و سکونِ ثانی) اِرادہ کرنا۔ قصد کرنا۔ (ضدِ خطا) ستون نصب کرنا۔ دُبلا کرنا۔ اِن معنوں میں بفتحتین (عَمَد) کہنا صحیح نہیں۔ (عَمَد) بفتحتین (جمع عَود) ستون ہا۔ بہت سے کھم۔"

فوجداری میں ایک اصطلاح ہے قتلِ عَمَد، اور عدالتوں میں سب عَمَد ہی بولتے ہیں۔ اُردُو میں مُجرّد عَمُد کا اِستعمال نہ ہونے کے برابر ہے البتّہ عَمَداً بمعنی اِرادتاً اور قصداً میں میم ساکن بولا جاتا ہے۔ ؎

غصّے سے ترے ہم نے عجب لُطف اُٹھایا | اب تو عَمَداً اور بھی تقصیر کریں گے

ایک زمانے میں ہمارے ایک عربی داں دوست نے اِس پر اعتراض کیا تھا۔ ہم نے اس دَور کی ایک لُغت لغات ہیرا دیکھی تو وہاں عَمَد کے معنی قصُد اور ستُون لکھے دیکھے اور عَمَداً کے قصداً۔ انشا عربی کے عالِم تھے۔ اَب معلوم نہیں وہ غَلَط تھے یا ہم خود تسکینُ الاوسط کے قاعدے سے عَمْداً بولتے ہیں۔

"عِندالپڑتال۔ اہلِ اُردُو نے بعض عجیب و غریب الفاظ بطورِ عربی گڑھ لیے ہیں۔ عند اور (ال) کو ملاحظہ فرمائیے جو عربی طور پر مرکب ہوئے ہیں (پڑتال کے ساتھ مرکب کر دیا۔ قریب المرگ کی ترکیب پر غور نہیں کیا گیا جس کے پڑھنے سے دم گھٹتا ہے۔ عندالپڑتال کی ترکیب تو جانچ پڑتال کے قابل تھی۔ اور فوق البھڑک جُدا اپنی جدت کی فوقیت پر نازاں اور تحریروں میں اپنی بھڑک دکھاتا ہے۔ سنسنی خیز کی ترکیب سے تو سنسنی پڑ جاتی ہے۔ (بارآمدت) غلطی کی کجی سے ٹیڑھی کھیر ہو گیا ہے۔ اردو میں ان کی جگہ

صحیح الفاظ بکثرت مل سکتے ہیں۔ پھر ایسے غلط الفاظ کا تحریر کرنا اُردو کی فصاحت پر دھبا لگانا ہے۔"

اوّل تو یہ غَلَط فہمی دور ہونی چاہیے کہ یہ الفاظ پہلے سے موجود تھے اُردو والوں نے نہیں گڑھے۔ الفاظ گڑھنا کچھ مذاق نہیں ہے۔ یہ تراکیب ہیں۔ اس قِسم کی تراکیب ازراہِ تفنن، کسی ہنگامی ضرورت یا موقع کے لیے گڑھ لی جاتی ہیں اور یہ ہر زبان کے ادیب و شاعر کیا کرتے ہیں۔ اِس میں کوئی پریشانی کی بات ہے اور نہ جز بز ہونے کی۔ یہ تراکیب چوں کہ ہنگامی ضرورت کے تحت وجود میں آتی ہیں اِس لیے وقت گزرنے کے بعد معدوم بھی ہو جاتی ہیں۔ [یہاں یہ عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ یہ تراکیب تراشں کوئی معمولی لوگ نہیں مُستند شاعر و ادیب ہوتے ہیں۔] چناں چہ آج نہ کوئی عندالبرِتال بولتا ہے نہ فوق البھر کب اور بالآراست۔ البتّہ جن تراکیب میں جان ہوتی ہے وہ وقت کی سختیاں جھیل جاتی ہیں اور زندہ رہتی ہیں۔ چناں چہ قریبُ المرگ اور سنسنی خیز اَب بھی زندہ ہیں اور لکھنے بولنے میں آتی ہیں۔ نہ کسی کا دم گھٹتا ہے اور نہ کہیں سنسنی پڑتی ہے۔

"عَنقَا۔ ع۔ (بالفتح) ایک طائر معروف الاسم ومجہول الجسم۔ بالضم غَلَط ہے کیوں کہ عُنقَا (دراز گردن۔ لمبی گردن والا) دراصل عُنُق (گردن) سے صفت مُشَبَّہہ [؟ مُشَبّہ] کا صیغۂ مونث ہے بروزن فَعلا جیسے سَودا (کالی۔ سیاہ) بیضاء (گوری۔ سفید) حَمرا (لال۔ سرخ)"

اُردو میں عَنقا اور عُنقا دونوں سُننے میں آتے ہیں: لمبی گردن والی تاویل سمجھ میں نہیں آئی۔ بھلا جو پرندہ مفقود الخبر بل کہ وجود خارجی سے محروم ہو اُس کی لمبی گردن کس نے دیکھی ہوگی؟ ویسے اگر ابیض سے بیضا، اَسود سے سَودا اور احمر سے حَمرا ہے تو عُنُق سے عُنقا کیوں نہیں؟

"عِیال۔ ع۔ بالکسر۔ زن و فرزند۔ بال بچے۔ بالفتح عَیال غلط ہے۔"

عَیال ہی بولا جاتا ہے، عِیال سننے میں نہیں آیا۔

"عِیاں۔ ع۔ بالکسر۔ دیدن بہ چشم۔ دیکھنا۔ فارسی اُردو میں مجازاً ظاہر۔ علانیہ۔ نمودار"

اُردو میں عَیاں بالفتح مشہور ہے۔

"عیدالضحےٰ غلط ہے۔ صحیح عیدِ اضحیٰ....."

اِدھر کچھ برسوں سے عیدالاضحےٰ بھی سُننے میں آنے لگا ہے۔ عموماً عیدالضحےٰ بولا جاتا ہے۔ ویسے اگر فارسی پر عربی اِضافت آل لگانا غلط ہے تو کیا عربی پر کسرۂ فارسی کا انطباق جائز ہے؟ جہاں تک ہمیں معلوم ہے عربی میں کسرہ اِضافت کا وجود نہیں پھر عیدِ اضحیٰ کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟

"غَبْن۔ ع۔ مذکر۔ (بالفتح) خرید و فروخت میں نقصان دینا..... خورد بُرد۔ ان معنوں میں بفتحتین (غَبَن) غلط ہے۔"

اُردو والے غَبَن ہی کہتے ہیں۔ غَبْن کوئی نہیں بولتا۔

"غَلَبَہ۔ ع۔ مذکر۔ بفتحتین۔... اور بفتح غین و سکونِ لام کہتے ہیں [کذا۔ غالباً اور کی جگہ اُردو میں ہے۔]

اُردو میں بہ تسکین اُلاوسط ہی بولا جاتا ہے۔ غالباً اِس پر کوئی اعتراض نہیں، درج ہی نہیں کرنا تھا۔

"غَلَطی۔ عربی میں (غَلَط) مصدر ہے۔ فارسی والے بھی (غَلَط) ہی کہتے ہیں۔ اردو والوں نے (یائے مصدری) زیادہ کر دی ہے...... غَلَطی کو فارسی ترکیب میں لانا اور بطور فارسی جمع بنانا اور فارسی اضافت دینا غلطی ہے۔ لفظ غلط میں فارسی تو کیا قدیم اردو میں بھی یائے مصدری نہیں لگائی گئی تھی۔ چناں چہ میر کہتے ہیں ؎

غلط اپنا کہ اُس جفا جو کو　　　سادگی سے ہم آشنا سمجھے"

غالب کی مثالیں خود آپ نے پیش کر دی ہیں ع غَلَطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا، اور غَلَطیہائے مضامیں مت پوچھ۔ غالباً آپ غالب کو قدیم نہیں سمجھتے [یا اُن کی اُردو کو جدید سمجھتے ہیں] اِس لیے میر سے سند لائے ہیں فی الو

میرؔ کا تو کوئی شعر ذہن میں نہیں آتا جس میں غلطی بندھا ہو۔ لیکن میرؔ کے معاصر (آپ معاصرِ خُورد کہ لیجیے) میر انشا کا مصرع حاضر ہے:

اِس سے بھی میں گزرا غلطی اور یہ سنیے

ویسے ہمارا خیال ہے کہ آپ اِس لفظ کو غلط نہیں سمجھتے کہ خود "فارسی اضافت دینا غلطی ہے" میں یہ غلطی موجود ہے بلکہ اس کتاب میں سو بار دہرایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ کے پاس عربی الفاظ کو بہ طور اُردو جمع بنانے کی کوئی سند موجود ہے کہ آپ تو معنوں لکھ سکتے ہیں، دوسرا غلطی یا نہیں لکھ سکتا؟ یا پھر آپ کا یہ خیال تو نہیں کہ جہاں مجبوری ہو خاموشی سے استعمال کر لو، بہ تو کہ محاسبہ خواہد کرد۔

"غمی۔ اُردو والوں نے (غم۔ عربی سے) غمی بنا لیا ہے۔ عربی میں غمّ بہ تشدید میم اور غُمُوم جمع ہے۔ اردو فارسی والے بالتخفیف استعمال کرتے ہیں۔ متقدمین نے غمی لکھا ہے۔ اب اس کی جگہ (غم) کہنا چاہیے۔"

غنیمت ہے "غم" کہنا چاہیے نہیں کہا۔ کیوں صاحب! اگر متقدمین نے لکھا ہے تو معاصرین کیوں نہ لکھیں؟ پھر جب غم یعنی تخفیف کی اجازت ہے تو غمی کی اجازت بھی ہونی چاہیے۔ بہ ہر حال اُردو میں اب غم بمعنی دُکھ، تکلیف اور رنج مستعمل ہے تو غمی سوگ اور ماتم کے معنی میں۔ مثلاً شادی غمی کے موقع پر دشمنی کو بھول کر ایک دوسرے کا ساتھ دینا چاہیے۔

"غور۔ ع۔ مختلف فیہ۔ عمق۔ گہراؤ۔ قعر۔ تہ۔ زمینِ پست۔ فارسی اردو میں فکر۔ تامل۔ سوچ۔ بچار۔ تحقیق ....."

اب اُردو میں بالاتفاق مذکر مستعمل ہے۔ اُردو فارسی میں معنوی تبدیلی کا اعتراف مولفین کو بھی ہے، غیر شعوری طور پر ہی سہی

"غیر۔ ع۔ جزء۔ دیگر.... فارسی میں لفظ غیر جب کسی لفظ کے ساتھ مرکب ہوتا ہے تو غیر پر کسرۂ اضافت دیا جاتا ہے۔ جیسے غیر انصاف غیرِ مشروط۔ غیر تحقیق۔ غیر مرتب۔ غیرِ مستعمل۔

غیرِ اختیاری۔"

مُولفین کو غلط فہمی ہے۔ ہمیں فارسی سے بحث نہیں، اُردو سے مطلب ہے اور اُردو میں ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ [ویسے جب مرکّب بنے گا عربی فارسی لفظ سے مل کر ہی بنے گا] غیر پر کسرۂ اضافت صرف اُسی وقت آسکتا ہے جب یہ کسی عام اِسم سے مرکّب ہوگا [یا اُن عربی مصادر کے ساتھ مرکب ہوگا جو اُردو میں بجائے اِسم مُستعمل ہیں] مثلاً اسم مفعول اور کیفیت سے مل کر جب کوئی مرکّب بنے گا تو غیر بدونِ کسرہ آئے گا۔ ورنہ ترکیب مہمل اور غلط ہو جائے گی۔ خُود آپ نے مثالاً جو تراکیب درج کی ہیں اُن میں کئی غلط ہیں۔ مثلاً آپ غیرِ تحقیق [بغیر تحقیق کے] کہہ سکتے ہیں، غیرِ متحقق نہیں کہہ سکتے۔ غیرِ شرط کہہ سکتے ہیں، غیرِ مشروط نہیں کہہ سکتے؛ غیرِ ترتیب کہہ سکتے ہیں، غیرِ مُرتّب نہیں کہہ سکتے؛ غیرِ استعمال کہہ سکتے ہیں، غیرِ مستعمل نہیں کہہ سکتے؛ غیرِ اختیار کہہ سکتے ہیں، غیرِ اختیاری نہیں کہہ سکتے، غیرِ انصاف کہہ سکتے ہیں، غیرِ انصافی نہیں کہہ سکتے؛ اگر کہیں گے تو سب تراکیب غلط اور مُہمل ہو جائیں گی۔ آپ کو غیر مشروط، غیر مرتّب، غیر مُستعمل ہی کہنا پڑے گا۔

"فربہ۔ ف۔ (بکسرِ با) (ضدِ لاغر) موٹا....."

مثال میں پیش کیے گئے سعدی کے شعر سے اندازا ہوتا ہے کہ یہ میں ہ کا اعلان ہے۔ "فربہ" اُردو میں نہ ہ کا اعلان کیا جاتا ہے نہ ب پر کسرہ ہی ہے۔ اُردو میں ب بالفتح فَربہ بل کہ [فربا] کہتے ہیں۔ اور اس پر عربی ال کا اضافہ بھی دیکھنے میں آیا ہے۔ محمد حسین آزاد نے [جو عربی کے پروفیسر تھے] آبِ حیات میں انشا کے ذکر میں لکھا ہے: "جو آناً خواہ مخواہ الفربہ مرد آدمی سمجھ کر انھیں کی طرف جُھکتا۔"

"فرِشتہ۔ ف۔ (بکسرتین) بمعنی فرستادہ۔ رسول۔ فرستہ سے فرشتہ مشہور ہو گیا جیسے

کستی سے کُشتی ۔"

اُردو میں نہ کوئی فِرستہ کہتا ہے اور نہ فِرشتہ ۔ فِرستہ اور فِرشتہ بولے جاتے ہیں بل کہ فِرستن اور فِرستادن بھی بفتحِ اوّل ہی رائج ہیں ۔ لہٰذا اَب فِرستہ اور کُشتی ہر دو غلط ۔

"فرمان ۔ ف ۔ حُکمِ بادشاہ ۔ اِس کی جمع بطور عربی فرامین بنالی ہے ۔"

کس نے بنالی ہے ؟ فارسی والوں نے نا ! اُردو بیچاری یتیم اور اُردو والے بھی لہٰذا اُن پر جا و بے جا اعتراضات روا رکھے جاتے ہیں لیکن فارسی پر اعتراض کرنے میں خطرۂ جان نہ سہی خطرۂ دستارِ فضیلت ضرور ہے ۔

"فروختہ ۔ ف ۔ (بالکسر) بیچا ہوا ۔ اسی طرح فِروخت ۔ فروش وغیرہ ۔"

پہلے تو صاحب ایک بات بتائیے ! یہ آپ ڈھیر ساری چیزوں یا ناموں کے ساتھ وغیرہ کیوں لکھتے ہیں وغیرہم کیوں نہیں کہتے ؟ مانیے کہ چلن ہے ۔ اِسی طرح یہ بھی مان لیجیے کہ اُردو میں فروخت ، فُروش بفتحِ اوّل ہی درست ہیں ۔ فِروخت اور فِروش گنوارو لہجہ ہے ۔

"فریب ۔ ف ۔ (بہ کسرِ فا) مکر و حیلہ ..... اِسی طرح فریفتہ ، فریفتگی نیز (فروشندہ و فروختہ (بکسرِ فا) صحیح ہیں ۔"

کبھی صحیح ہوں گے ۔ اب یکسر غلط ہیں ۔ لہٰذا اَب نہ کوئی فِریب کہتا ہے نہ فِریفتہ ۔ سب فَریب ، فَریفتہ ، فروشندہ ، اور فَروختہ بولتے ہیں ۔

"فَساں ۔ ف ۔ بفتحِ اوّل ۔ مونث ...."

اِس کی جنس کا علم تو نہیں لیکن اُردو میں ہم نے فِساں بھی سُنا ہے بلکہ کچھ لُغات میں بھی اس کا تلفظ فِساں بالکسر ہی درج ہے ۔

"فَضا ۔ ع ۔ مونث ۔ (بالفتح)

اُردو میں اَب کچھ زیادہ پڑھا لکھا طبقہ فَضا کہنے لگا ہے ، عموماً فِضا بولا جاتا ہے ۔

"فِکر - ع - مختلف فیہ - (بالکسر) ..... اہل لکھنؤ مؤنث اور اہل دہلی مذکر کہتے ہیں۔"

اب لکھنؤ، دہلی کی تخصیص باقی نہیں رہی۔ عموماً مؤنث بولا جاتا ہے۔
شاذونادر مذکر بھی سننے میں آجاتا ہے۔

"فُلاں - ع - (بالضم) ..... بالفتح (فَلاں) غَلَط ہے۔"

پہلے تو بالاتفاق فُلاں بالضم ہی بولا جاتا تھا، اِدھر چند برس سے فَلاں
بالفتح بھی سُنائی دینے لگا ہے۔

"فِلَسطین - بکسر الفا و فتح لام) ..... "

اُردو میں فِلَسطین، فَلَسطِین اور فِلِسطِین، تینوں طرح سنا جاتا ہے۔

"فوق الادب ..... (فوق) کے قاف کو مفتوح کہنا چاہیے۔

کہتے نہیں ہیں۔ فوقُ الاَدَب (قاف مضموم) سُننے میں آتا ہے۔

"فی زمانہ - اس کے معنی ہیں (زمانے میں) لکھنے والے کی مراد ہوتی ہے کہ اِس زمانے میں یا ہمارے زمانے میں اور (فی زمانہ) سے یہ مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ اِس لیے (فی زمانہ) اِس موقع پر غلط ہے اِس کی جگہ (فی زمانِنا) ہمارے زمانے میں لکھنا چاہیے۔ بعض اس کے بعد ہٰذا بھی بڑھا دیتے ہیں یعنی (فی زمانِنا ہٰذا) ہمارے اِس زمانے میں۔"

اِس میں شک نہیں کہ عربی میں فِی حرفِ جار ہے بمعنی میں۔ لیکن عند الضرورت اس کے مفہوم میں توسیع، تخفیف یا تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً فی الجُملہ کے معنی جُملے میں یا جملہ میں نہیں۔ فی الفور میں بھی وہ مفہوم نہیں۔ ہم تو فی المثل کے معنی مثل میں کی جگہ مثال کے طور پر لیتے ہیں۔ اگر فی زمانہ غَلَط ہے تو فی الوقت بھی غَلَط ہونا چاہیے جس کے معنی اس وقت لیے جاتے ہیں۔ آپ نے اس پر اعتراض نہیں فرمایا! آدمی سہل پسند بھی ہے اور اختصار پسند بھی۔ اور اُس کی یہ سہل و اختصار پسندی زبان بلکہ زبانوں میں طرح طرح سے ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ ہم شعر میں بلکہ گفتگو میں بھی اکثر محذوفات سے کام لیتے رہتے ہیں۔ اور سامع تک ہماری پوری بات

یا ہماری بات کا پورا مفہوم ہی پہنچتا ہے۔ مثلاً آپ آنکھوں دیکھا اور کانوں سُنا کہتے ہیں، مطلب آنکھوں سے اور کانوں سے ہوتا ہے۔ اِسے اور بھی مختصر کیا جاسکتا ہے مثلاً دیکھا نہ سُنا۔ مطلب نہ آنکھوں سے دیکھا اور نہ کانوں سے سُنا ہی لیا جاتا ہے۔ لہٰذا فی زمانہ میں بھی ہذا محذوف سمجھیے۔ فی زماننا اور فی زماننا ہذا بولنے والا عربی کا عالم تو کہلا سکتا ہے، اُردو میں جاہل اور گنوار ہی سمجھا جائے گا۔

"قابلیّت۔ بہ تشدید یائے مفتوح....."

اُردو میں بہ تخفیف یا اور بہ تشدید یا دونوں طرح مُستعمل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اب کوئی مکسور کو نہیں بولتا۔ نیز قابل اور قابلیّت میں معنوی تبدیلی بھی ہے۔

"قالب بفتح لام.... بکسر لام بھی آیا ہے۔"

پھر لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ اُردو میں قالب زیادہ اور قالب شاذ و نادر مُستعمل ہے۔

"قدمبوسی۔ اِس میں (ی) زائد ہے۔ قدم بوس۔ حاصل مصدر ہے تو پھر اس پر یائے مصدری بڑھانے کی کیا ضرورت ہے۔"

یہی چلن ہے۔ پابوسی اور قدم بوسی ہی مُروج ہے۔ آج کل قدم بوس کہنا جہالت معلوم ہوتا ہے۔ اُردو میں یہ حاصل مصدر سے زیادہ اسم فاعل لگتے ہیں ع۔ قبلہ رُو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز۔

"قُدُوم۔ ع۔ مذکر۔ (بضمتین) سفر سے واپس آنا..... جو لوگ قدم کی جمع (قُدُوم) سمجھتے اور لکھتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ قدَم کی جمع اقدام ہے۔"

اِس کی صراحت اَقدام کے ذیل میں کی جاچکی ہے۔

"قرآن۔ ع..... بجائے الفِ ممدودہ الفِ مقصورہ سے (قران) کہنا غلط ہے۔"

عام گفتگو میں تو عالم و عامی سب قُران بولتے ہیں۔

"قِزِل ۔ ت ۔ (بہ کسرِ قاف وزاے معجمہ) قِزِیل بھی درست ہے ۔ سُرخ لال جیسے .... قِزِل باش ....."

اُردو میں قِزَل [بفتحِ زا]، قِزَل [بفتحتین] اور قِزِل خود قزل باشوں کی زبانی سُننے میں آیا ہے ۔ قِزِل باش (بکسرتین) سُننے میں نہیں آیا ۔

"قُسطَنطِینِیَہ ..... بحذف یاے نسبت قُسطنطِنیہ بھی کہتے ہیں .... مگر ڈاکٹر اقبال نے قَسطَنطِنِیَہ کو عجیب طرح باندھا ہے کہ بجاے یاے نسبت کے حذف [یہاں بجاے کے ساتھ خود آپ نے "کے" استعمال کیا ہے] قسطنطین کی یائے اصلی گر گئی ہے ؎ خطۂ قسطنطنیہ یعنی قیصر کا دیار..... الخ تعجب ہے مولانا شبلی وغیرہ قسطنطینہ لکھتے رہے جس کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی ۔"

اُردو میں نہ قُسطَنطِنِیَہ [جیسے اقبال نے لکھا] رائج ہے اور نہ قُسطَنطِینیَہ [جیسے آپ نے لکھا ہے] مولانا شبلی وغیرہ نے جس طرح لکھا ہے اُس پر آپ نے اعراب نہیں لگائے اِس لیے نہیں کُھلتا کہ تلفّظ کیا ہوگا ۔ اُردو میں یہ لفظ دو طرح بولا جاتا ہے : قُسطَنطُنِیَہ اور قُسطَنطُنِیَہ [بروزن مفعولاتن] ۔

"قَصَبَہ ۔ (بفتحتین) شہر .... اُردو میں (بسکونِ ثانی) قصْبَہ کہتے ہیں ۔"

پھر غلط ہے یا صحیح ؟

"قِصَص ۔ ع ۔ (جمع قِصّہ) جیسے حِصص (جمع حِصّہ) قَصَص بفتحتین مصدر ہے ۔ (قصّہ کہنا) ۔"

اُردو میں قَصَص اور حَصَص ہی بولے جاتے ہیں ۔

"قِضِیّہ ۔ ع ۔ مذکر ۔ (بفتح قاف وکسرِ ضاد ویاے مشدد مفتوح) حکم ۔ خبر ۔ قضایا جمع ۔ اردو میں مباحثہ ۔ تکرار ۔ جھگڑا ..... اردو میں اکثر (قَضِیہ) بفتح قاف وسکون ضاد کہتے اور لکھتے ہیں ۔"

پھر آپ نے کیا غلطی بتائی ؟ یہ صرف صوتی تبدیلی ہی کی مثال نہیں بلکہ معنوی تبدیلی کی مثال بھی ہے ۔ دوسرے اُردو میں قضایا بطور واحد بھی

استعمال ہوا ہے۔ شیخ ولی اللہ محب

مجلس میں جھکے چاہیے جھگڑا شعرا کا
ایسے ہی کسی صاحب تدبیر کے آگے

یہ بھی کوئی دانش ہے کہ پہنچے یہ قضایا
اکبر تئیں یا شاہِ جہانگیر کے آگے

"قِطار۔ ع۔ مونث۔ (بالکسر) اشترانِ قطار شدہ۔ اونٹوں کی لار۔ اردو میں بالفتح (قَطار) صف بُرا۔ ٹکڑی۔ سلسلہ ترتیب۔

اِس میں بھی قَضیہ کی طرح کوئی غلطی نہیں۔ نیز یہ بھی صوتی اور معنوی تبدیلی کی مثال ہے۔ اور اس کو آپ تسلیم کرتے ہیں۔

"قُطُب۔ (بالضم) سردارِ قوم.... بضمتین (قُطُب) کہنا غلطی ہے۔ جہلہ (قُطَب) کہتے ہیں۔"

اضافت کے ساتھ اُردو میں بھی بسکونِ ثانی قُطب ہی لکھتے ہیں۔ مثلاً ع
اَبدال وقُطب وغَوث وولی آدمی ہوئے، لیکن بولنے میں قُطَب ہی آتا ہے۔
قُطَب مینار تو آپ بھی کہتے ہوں گے جس میں دونوں لفظ عُلما کے مطابق غلط ہیں۔ اور ہم نے آج تک کسی عالم یا عامی کو "قُطُب مَنار" کہتے نہیں سُنا۔

"قَلعَہ۔ ع۔ (بالفتح)..... بکسرِ قاف وفتح لام (قِلعَہ) غلط ہے۔"

مگر لال قلعہ [بلکہ قِلا] تو عُلَما بھی بولتے ہیں۔ ویسے آج کل پڑھا لکھا طبقہ قَلعَہ بولنے لگا ہے۔ البتہ [لال قِلہ] کہتے اب بھی نہیں جھجکتے۔

"قُماش۔ ع۔ (بالضم).... متاع ورختِ خانہ۔ گھر کا اسباب۔ کمینہ۔ سفلہ.... اُردو میں بکسرِ قاف۔ طرح۔ وضع۔ ڈھنگ۔ طریق....."

گویا اس میں بھی صوتی اور معنوی ہر دو قسم کی تبدیلی واقع ہوئی ہے اور آپ قبول فرماتے ہیں۔

"قِندیل۔ ع۔ (بالکسر) اُردو والے بالفتح کہتے ہیں۔"

پھر؟ ویسے اُردو والے بالکسر اور بالفتح دونوں طرح بولتے ہیں۔

"کافِر۔ ع..... شعرا بفتحِ فا لکھتے ہیں۔ چناں چہ ذوق اور غالب اور داغ نے معتبر۔ برابر

دوسرے سے ماخوذ نہیں البتہ اسلامی لہجات ہونے سے اشتراک بہت ہے حتٰے کہ اکثر اصحاب تئی عربی ہندی اور دکھنی کو اُردو کے عمومی نام سے موسوم کرنے لگے ہیں۔ غرض اردو (خواہ وہ دکھنی ہو یا برج) اب ارتقاءً بہت وسیع وعریض اور ملک گیر ہوگئی ہے۔ ہندوستان کے عرض وطول میں رواجِ دوام اور قبول عام پاکر خارجِ ہند میں بھی نافذ العمل ہوتی جاتی ہے۔ اور روزافزوں کثیر التعداد نفائسِ ادبیہ[۱] علمیہ کی وجہ سے اب اعلیٰ ومرتقی زبانوں کا درجہ حاصل کرلیا ہے۔ اردو زبان چار پانچ لاکھ الفاظ پر مشتمل ہے اور اسی لیے بہ لحاظ غزارت [ص ۳] انگریزی زبان سے ہرگز ادنےٰ نہیں ہے۔ اس زبان میں ہر قسم کے تخیلات، تاثرات، جذبات احساسات وابکار افکار کے اظہار کرنے اور علمی، ادبی واصطناعی اصطلاحات وضع ہونے کی کماینبغی قابلیت ہے۔ اردو کے روزافزوں امتداد واتساع (پھیلاؤ) سے خود اس میں کئی مختلف لہجے پیدا ہوگئے ہیں اگر کوئی تمام ہندوستان کا سفر کرے تو وہ بیسیوں لہجوں کوسن کر حیرت کرے گا کہ کوئی لہجہ صحیح وخالص نہیں رہا۔ برجی۔ پوربی (لکھنوی) بہاری۔ وسطی۔ دکھنی۔ مدراسی وغیرہ اردو کے سب لہجوں میں بہت کچھ اختلاف وتغیر ہوگیا ہے۔ اگر اردو زبان (جو ہندوستان کی اسلم لنگوا فرنیکا ہے) کے حفظ کی فوری اعتنا نہ کی جائے تو افسادِ وتحریف کی اصلاح وتصحیح غیر ممکن ہوجائے گی۔ کسی زبان کو محفوظ ومصئون رکھنے کے دو بڑے ذرائع ہیں ایک اس کا مبسوط لغت اور دوسرے اس کی جامع وصحیح قواعد۔ ظاہر ہے کہ اردو میں یہ دونوں عامل مفقود ہیں۔ انگریزی زبان فی زماننا عالمگیر اور عمومی ہوگئی ہے لیکن اس کو انھیں وسائل کی کثرت نے زیادہ اختلاف وتخریب سے بچا رکھا ہے۔ بہ وجوہ مندرجۂ

---

[۱] ماسٹر پیسز۔ یا شاہ کار ۱۲

وغیرہ قوافی کے ساتھ باندھا ہے۔"

غالب، ذوق اور داغ کے بالفتح باندھنے کے باوجود لوگ بالفتح بولنے سے ڈرتے ہیں، خصوصاً تعلیم یافتہ لوگ۔ اہل پنجاب البتہ کافر کہتے ہیں۔

"کالبد۔ ف۔ (بفتح با) قالب۔"

اُردو میں کالبُد بھی کہتے ہیں۔

"کتبہ۔ کتابہ کے معنی میں صحیح نہیں۔ کتابہ۔ وہ عبارت جو بخط جلی یا طغرا یا نسخ وغیرہ مقابر و مساجد کے دروازے پر لکھواتے یا پتھر پر کندہ کرا کے نصب کرتے ہیں.....

تسلیم نے کتبہ لکھا ہے جو درست نہیں۔"

صرف تسلیم ہی نے کتبہ نہیں لکھا، اب سب اسے تسلیم کرتے ہیں۔ آج کل کتابہ کوئی نہیں کہتا ہے اور نہ لکھتا ہے۔

"کردگار۔ ف۔ (بکسر کاف) نام خدائے تعالیٰ..... بفتح دال (کرد گار) نہیں کہنا چاہیئے۔"

بولتے تو سب ہی کردگار ہیں مگر ہماری مجبوری یہ ہے کہ جب کسی لفظ کے آخر میں ایک ساتھ دو ساکن حرف آتے ہیں، اگر فقرہ ختم نہیں ہو جاتا اور اس کے بعد کوئی اور لفظ بولنا یا پڑھنا پڑتا ہے تو یا تو ہم دونوں لفظوں کے درمیان وقفہ دے کر بولیں اور اگر روانی میں پڑھیں یا بولیں گے تو لامحالہ آخری ساکن حرف متحرک ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ہمارا مقصد اُسے ساکن بولنا ہی ہوتا ہے۔ یقین نہ آئے تو اسی طرح کے کچھ مرکب الفاظ کو روانی سے بول کر دیکھیے، حقیقت واضح ہو جائے گی۔ مثلاً دوست دار۔ روانی میں اب یا تو اسے دوسدار بولیے یا دوستدار۔ شرم، سار، بولنے میں شرمسار ہو جائے گا۔ مگر اس کے لیے کان بہت حساس ہونا چاہیے ورنہ اس فرق کا اندازا ہی نہیں ہو پائے گا۔

"کرشمہ۔ (بکسر تین) ف۔ ناز۔ انداز۔ ادا۔ بعض (بفتحتین) گرشمہ کو ترجیح اس وجہ سے دیتے ہیں کہ چشمہ کے ساتھ اس کو قافیہ میں لایا جاتا ہے۔"

ہم نے نہ کِرِشمہ سُنا ہے نہ کَرَشمہ۔ اُردو میں تو کَرِشمہ ہی بولا جاتا ہے۔

"کِرام۔ ع۔ (جمع کریم)۔۔۔۔"

اکثر کَرام بالفتح سُننے میں آتا ہے۔

"کِلید۔ ف۔ (بکسرِ کاف) کنجی۔"

اُردو میں بالفتح کَلید اکثر اور کُلید بالضم کم تر سننے میں آتا ہے۔ کِلید کوئی نہیں بولتا۔

"کُلّیّۃ۔ ع۔ قاعدہ عامّہ۔ عام دستور۔"

اُردو میں بہ تخفیف کُلِیہ بھی بولا جاتا ہے۔

"کَنارہ۔ ف۔ (بروزن نظارہ) کنار۔ دوری۔"

اُردو میں کَنارا [بروزن سہارا] اور کِنارہ [بالکسر] دونوں طرح رائج ہے۔

"کُنِشت۔ ف۔ پارسیوں کا آتشکدہ۔"

اُردو میں بیشتر کِنِشت سننے میں آتا ہے۔

"کُنگُرہ۔ ف۔ (بضم کافِ عربی وکافِ فارسی) اُردو میں کنگورہ کہتے ہیں۔"

کنگورہ کے علاوہ کُنگرہ بھی سُننے میں آجاتا ہے۔

"کوائف۔ غَلَط۔ کیفیت کی جمع کیفیات ہے۔"

اُردو میں کیفیات اور کوائف دونوں مُستعمل ہیں۔

"کیفیّت۔ ع۔ مونث۔ حالت۔ چگونگی۔۔۔۔"

بہ تخفیف یا بھی آتا ہے۔ عَرَبی کے ایسے بیشتر الفاظ جن میں ت سے پہلے یَ مُشدّد ہے ترکیبِ اضافی میں تو مُشدّد آتے ہیں لیکن بغیر ترکیب مُخفّف بھی بولے جاتے ہیں۔

"گِرِفت۔ ف۔ مونث (بکسرِ رائے مہملہ)"

اُردو والے تو بالفتح گِرَفت کہتے ہیں۔

"گُروہ۔ ف۔ مذکر (بضم اوّل) جماعتِ مردم۔۔۔۔ بکسرِ اوّل (گِروہ) غلط ہے۔"

اُردو میں گَروہ بفتحِ اوّل اور گِروہ بکسرِ اوّل دونوں طرح سُنا جاتا ہے۔

گُروہ نہ دیکھا نہ سُنا۔

"گِرِہ۔ ف۔ مونث ۔۔۔۔ (ٹیپ کا شعر) کے معنوں میں بھی مُستعمل ہے۔ صحیح (بکسرِ کاف فارسی و رائے مہملہ) گِرِہ ہے۔ بعض نے (بکسرِ کاف فارسی و فتح رائے مہملہ) گِرَہ لکھا ہے جو غلط ہے۔"

اُردو میں گِرِہ کم تر اور گِرَہ بیشتر مُستعمل ہے۔

"گِریبان۔ ف۔ (بکسرِ کاف فارسی) یہ لفظ (گِرے) بمعنیٔ گردن اور (بان) کلمۂ محافظت سے مرکب ہے یعنی محافظِ گردن۔"

اُردو میں ہمارے اِسکول کے زمانے تک گِریبان [گِرے بان] اور [گَرے بان بفتحِ گاف] بولا جاتا تھا لیکن اِدھر کئی سال سے گَریہبان [گَری بان] بھی بولا جانے لگا ہے۔

"گِزاف۔ ف۔ بے ہودہ۔ بضم اوّل بھی آیا ہے۔ بفتح اوّل صحیح نہیں۔"

اُردو میں تنہا گزاف شاذ و نادر استعمال ہوتا ہے۔ لاف کے ساتھ بطورِ مُرکّبِ عطفی دیکھا سُنا ہے، لاف و گزاف۔ البتّہ نہ تو بضمِ اوّل سُننے میں آیا ہے نہ بکسرِ اوّل۔ اُردو والے بفتحِ اوّل گَزاف ہی کہتے سُنے گئے ہیں۔

"گِشنیز۔ ف۔ (بکسر کاف فارسی) ایک نبات ۔۔۔۔۔ دھنیا۔"

ہم نے کِشنیز [بکسرِ کافِ عَرَبی] بسنا ہے۔

"گُلخَن۔ ف۔ (گُل بمعنی آتش اور خَن مخففِ خانہ سے مرکب) یعنی آتش خانہ۔ بھاڑ۔ مجازاً وہ جگہ جہاں کوڑا کرکٹ ڈالیں۔"

گھوڑے کے معنی میں اِس کا اِستعمال ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ بھٹّی، بھاڑ، تندور وغیرہ کے معنی میں البتّہ دیکھا سُنا گیا ہے۔ بعض اساتذہ [گِل خَن کہتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ تندور وغیرہ مٹّی [گِل] سے بنتے ہیں۔ کوڑا کرکٹ میں بھی مٹّی کی موجودگی مُسلّم ہے۔ اِس لیے گِل خن ہوا۔

"گِلیم۔ ف۔ (بکسرِ اوّل) کمَل۔ مذکر۔"

اُردو والے گلیم [بفتحِ گ] بولتے۔

"گُنجشک۔ ف۔ (بضم کاف فارسی وکسرِ جیم عربی) چڑا۔ عصفور۔"

اُردو میں کافِ عربی سے مُستعمل ہے۔ کافِ فارسی سے دیکھنے سُننے میں نہیں آیا۔ اِس کے علاوہ جیم مفتوح بھی بولا جاتا ہے۔

"گُوارا۔ ف۔ (بضمّ اوّل) ....."

اُردو میں گوَرا بفتحِ اوّل وثانی مُستعمل ہے۔

"گُواہ۔ ف۔ (بالضم) شاہد۔"

یہ بھی بہ فتحِ اوّل گواہ ہی مُستعمل ہے۔

"گوشمال۔ ف۔ کان اینٹھنے کی سزا۔ سزا۔ اردو میں (گوشمالی) کہتے ہیں۔"

اگر گوشمالی پر کوئی اعتراض نہیں ہے تو تبدیلی، قدم بوسی، پابوسی اور غلطی پر اعتراض کیوں؟ یہ سب بھی تو اُردو ہی کا چلن ہیں۔

"گھایل ..... (بکسرِ یا) غلط ہے۔"

یقیناً غلط ہے۔ قُدما گھایَل بفتحِ یا لکھتے تھے لیکن رفتہ رفتہ گھائل بولنے اور لکھنے لگے۔ شعرانے اکثر بسمل، دل وغیرہ قوافی کے ساتھ نظم کیا ہے۔ ویسے عَربی کے اسمائے فاعل جو ہمزہ سے لکھے جاتے ہیں، بولے سایِل، قایِل [کِسرہ مائل بہ لیے، ج] جاتے ہیں، تحریر کی بات، دُوسری ہے۔

"لابُدّی۔ ع..... ناگزیر۔ ضروری۔"

اُردو میں مشدّد الآخر الفاظ مُخفف الآخر ہو جاتے ہیں۔ چناں چہ اُردو میں لابُد اور لابُدی کہا جاتا ہے۔

"لاپروا۔ غلط۔ لا عَربی ہے اور پروا فارسی۔ لا کے ساتھ فارسی کی ترکیب درست نہیں۔ (لاپروا) کی جگہ بے پروا صحیح ہے۔"

اگر قاعدہ یہی ہے تو اِس کے برعکس کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا یعنی اگر فارسی

پر عربی کا حرف لگا کر ترکیب بنانا غلط ہے تو عربی پر فارسی کے حروف و الفاظ کا اطلاق بھی غلط ہونا چاہیے۔ اِس طرح اُردو کے بیشتر مرکبات زبان سے خارج ہو جائیں گے مثلاً اسی کتاب میں "شریف الخاندان" کو غلط اور "شریفِ خاندان" کو صحیح بتایا گیا ہے۔ ایک عربی لفظ شریف کو کسرۂ فارسی سے مضاف کرنا بھی غلط ہونا چاہیے۔ اگر لاپروا غلط ہے تو بے خوف بھی غلط ہونا چاہیے کہ بے فارسی اور خوف عربی ہے۔ اور اس پر اعتراض نہیں۔ لہٰذا ایسا بودا اصول قابل قبول نہیں جو محض یک طرفہ ہو [قاعدے سے تو یک طرفہ بھی غلط ہے]۔

"لاچار۔ غلط (ملاحظہ ہو لاپروا) اِس کی جگہ (ناچار) صحیح ہے۔"

اِس پر ہمارا وہی تبصرہ ہے۔ جو لاپروا کے سلسلے میں کیا گیا ہے۔ آپ نے ناراضگی کو غلط اور ناراضی کو درست بتایا ہے۔ حیرت ہے وہاں آپ کو لاراضی نہ سوجھا۔

"لاحق۔ (بکسرِ حائے حطّی) .... لاحَق کہنا جہل ہے۔"

اب یہ جہل بسیط ہو گیا ہے۔ سب لاحَق اور لاحقہ وغیرہ کہتے ہیں۔

"لاطائل۔ ع۔ (بکسرِ ہمزہ) .... (لاطائل) بفتح یا کہنا غلطی ہے۔"

اِس کی تصریح "گھائل" کے تحت کی جا چکی ہے۔

"لامحالہ .... بضمِ میم (لامُحالہ) کہنا غلطی ہے۔"

جو سب کریں اُسے غلطی نہیں کہتے چلن کہتے ہیں۔

"لبِ سڑک ....."

عندالپڑتال کے تحت اِس قسم کے مرکباب پر اظہار خیال کیا جا چکا ہے۔

"لحد۔ ع۔ مونث۔ (بالفتح) .... اُردو میں (لَحَد) بفتحتین ....."

یہ عجیب منطق ہے۔ کہیں تو اُردو کے چلن کو بے چوں وچرا قبول کر لیا گیا ہے، کہیں اُسے گردن زدنی قرار دیا گیا ہے۔

"لَعَب، لَعِب (بالفتح اور بفتح لام وکسرِ عین).... بفتحتین کہنا غلطی ہے۔"

اُردو میں لَعِب اور لَعَب دونوں طرح دیکھنے سُننے میں آتا ہے لیکن بطور مُرکّب لہوولَعَب۔

"لُغت۔ ع۔ مذکر.... اکثر اہل دہلی لغت کو مؤنث کہتے ہیں لیکن تذکیر کو ترجیح ہے۔"

دہلی اور لکھنؤ کی تخصیص وتحدید اب اُٹھ گئی ہے۔ ترجیح کسی فردِ واحد کے دِیے نہیں ملتی۔ کچھ اور عُلَما بھی لُغت بمعنی ڈکشنری کو مُذکّر کہلوانے پر مُصِر ہیں اور اسناد لاتے ہیں۔ گذشتہ صدی کی تحریروں سے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ جب لُغت بمعنی لَفظ آتا ہے تو مذکّر اور جب کتاب [ڈِکشنری] کے معنی میں استعمال ہوتا ہے تو مُونث کہنا چاہیے۔

"لُہو۔ (لُوہُو کا مُخفّف)....."

لہو بالضم کوئی نہیں کہتا سب لَہو بفتحِ لام بولتے ہیں۔

"لیاقت] عَرَبی میں علمیت کے معنی میں نہیں۔"
"لئیق] ...... غلط ہے......"

عربی میں نہیں ہے نہ ہو، اُردو میں قابلیت اور قابل کے معنی میں لکھے بولے جاتے ہیں لہٰذا جائز ہیں۔

"مابعد۔ اُردو میں ما کا لفظ بعد کے ساتھ بمشکل اپنے معنی بتا سکتا ہے۔ اس لئے بعد کی جگہ مابعد نہیں کہنا چاہیئے۔"

مثلاً شعرائے مابعدِ تقسیم [مُلک] کے لیے شعرائے بعد کہا جائے گا؟ اگر ما بعد کے ساتھ اپنے معنی نہیں دیتا تو اسے زمانہ کے ساتھ فی [فی زمانہ] کے قبیل سے سمجھیے۔ وہ بھی اپنے معنی دے رہا ہے اور ما بھی۔ وقت زدہ، فرسودہ قواعد کی لکیر پیٹنے سے فائدہ؟ خود آپ نے بھی اِس کتاب میں ایک جگہ مابعد لکھا ہے۔

"ماتحت۔ دفتری اصطلاح میں (ماتَحْت) عُمّالِ دفتر کہلاتے ہیں جو کسی افسر کے

تحت ہوتے ہیں۔ اس حد تک جائز رکھا جا سکتا ہے۔ حال آں کہ ما اسم موصول غیر ذی روح کے لیے آتا ہے لیکن کسی کی نسبت یہ کہنا کہ یہ فلاں افسر کے ماتحت کام کرتے ہیں، درست نہ ہوگا۔ یہاں تحت ہی صحیح ہو سکتا ہے۔ اور (تحت بیں) بھی کہا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اِمتدادِ زمانہ سے کئی سابقے اور لاحقے اپنے معنی کھو دیتے ہیں اور بعد میں آنے والے لوگ اُن کو مُہمل مان کر نئے سابقے اور لاحقے وضع کر لیتے ہیں۔ مثلاً انگریزی میں فاعلی لاحقہ "ER" شروع میں تانیث سے مخصوص تھا جیسے SEAMSTER کے معنی سینے والی تھے، لیکن رفتہ رفتہ اِس کی معنویت زائل ہو گئی اور یہ مذکر سے مخصوص ہو کر رہ گیا اور تانیث کے لیے ایک لاحقہ وضع کرنا پڑا۔ اب سینے والی کو SEASTRESS کہا جاتا ہے۔ خود فارسی میں ہا غیر ذی روح کی جمع کے لیے استعمال ہوتا تھا اور "ان" جان دار کے لیے۔ رفتہ رفتہ یہ تخصیص جاتی رہی۔ چناں چہ دِل کی جمع دِلہا اور دِلاں؛ درخت کی درختاں آتی ہے۔ اِسی طرح بے شمار مثالیں مل سکتی ہیں۔ مقصد کہنے کا یہ ہے کہ اُردو میں اگر "ما" سے ذی روح اور غیر ذی روح کی تخصیص جاتی رہی۔ ماتحت میں "ما" کے سرے سے کوئی معنی لیے ہی نہیں جاتے اور اسے تحت کے معنی میں اِستعمال کیا جاتا ہے۔ بیشتر لوگ تو اسے ایک ہی لُغت سمجھتے ہوں گے اُنھیں تو یہ معلوم ہی نہ ہوگا کہ یہ ما اور تحت سے مُرکّب ہے۔

"ماخُولیا۔ ف۔ ایک سوداوی دماغی مرض [آپ نے غور فرمایا آپ نے سودا سے اِسم کیفیت یا صفت سوداوی بنایا سودائی نہیں۔ حالاں کہ قاعدہ سودائی کا مُتقاضی ہے۔ سبب یہی ہے نا کہ اُردو میں سودائی صفت کی بجائے فاعل کے معنی دیتا ہے!] ماخُول وہ شخص جو اس مرض میں مُبتلا ہو۔ یونانی میں مَلَنخُولیا ہے۔"

یونانی میں مَلَنخُولیا ہے تو اُردو میں مالیخُولیا [بہ واوِ مجہول]۔ اُردو میں

کوئی ماخولیا نہیں کہتا۔ آگے چل کر [ضمیمے میں] خود آپ نے اِس کا اعتراف کیا ہے کہ فارسی والوں نے ماخولیا اور اُردو والوں نے مالیخولیا بنالیا ہے۔

سند میں مومن کا شعر بھی درج کیا ہے۔ ہمیں کہنا یہ ہے کہ جب چلکن آپ کو قبول تھا تو متن میں اِس لفظ کو درج کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

"ماسوا۔ سوا کی جگہ ماسوا کہنا یا لکھنا درست نہیں....."

اِسے مابعد کے قبیل سے سمجھیے کہ اکثر کہا اور لکھا جاتا ہے۔

"مامور شدہ۔ غلط۔ مامور (صیغہ مفعول ہے) پھر شدہ زیادہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ (مامور شدہ شخص ہٹایا گیا) کی جگہ (مامور شخص.....الخ) صحیح ہے۔"

سوال صحیح یا غلط کا نہیں زبان کے مزاج کا ہے۔ کبھی غور کرکے دیکھیے تو معلوم ہو کہ جو الفاظ عربی میں مجرد مکمل معنی دیتے ہیں اُردو میں آکر "معذور" ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اِسی لفظ معذور کو لیجیے۔ عربی میں تو یہ بھی صیغہ مفعول ہے۔ معنی ہوں گے عُذر کیا گیا۔ مگر ہم مندرجہ بالا فقرے میں "معذور ہیں" کہہ کر اپنا صحیح مفہوم واضح نہیں کر سکتے اِس لیے "ہو جاتے ہیں" فعل کی اِمداد کی ضرورت پڑی۔ اِسی طرح مامور میں ہمیں اِصرار نہیں کہ آپ "مامور شدہ" کہیں لیکن اگر یہ کہنا مقصود ہو کہ فلاں شخص کو فلاں کام پر مُقرّر کیا گیا ہے اور "مُقرّر" کی جگہ "مامور" اِستعمال کرنا چاہیں تو کیا کہیں گے؟ کیا: "فلاں شخص کو فلاں کام پر مامور ہے"؟ کیوں کہ مامور کے معنی تو "مُقرّر کیا گیا" ہیں نا۔ قاتل کے معنی "قتل کرنے والا" نہیں ہوتا بلکہ "اُس نے قتل کیا ہے" ہوتا ہے۔ لہٰذا اِس قسم کے اعتراضات جو اپنی زبان کے مزاج و منہاج پر غور کیے بغیر کیے جائیں گے، مجہول کہلائیں گے۔

"مانند (بفتح نون اوّل)..... بکسرِ نون اوّل (مانِند) کہنا غلطی ہے۔"

اُردو میں مانند بھی کہتے ہیں اور مانِند بھی۔

"مایوس بمعنی نومید عربی میں نہیں آیا ہے بلکہ اس معنی میں (آئس) آیا ہے اور مایوس (وہ جس سے اُمید منقطع ہو گئی ہو)"

اب ہم عربی تو نہیں بول رہے ہیں اُردو بول رہے ہیں۔ عربی میں "جس سے اُمید منقطع ہو گئی ہو"، لیکن اُردو میں "جس کی امید منقطع ہو گئی ہو" ہے۔ اگر اپنی زبان پر غور فرمایئے تو عربی کے بے شمار فاعل مفعول نظر آتے ہیں اور مفعول فاعل۔ لہٰذا اُردو کو اُردو کی نظر سے دیکھنا چاہیے نہ کہ عربی کی عینک سے۔

"مُتلاشی۔ تلاش تُرکی لفظ ہے جو فارسی اُردو میں مستعمل ہے۔ اس سے اہل اردو نے بطور عربی متلاشی (بمعنی تلاش کنندہ) اسم فاعل بنا لیا ہے جو غلط محض ہے۔ عربی میں (تلاشی) نیست و نابود ہونا۔ فنا ہونا۔ ہلاک ہونا سے متلاشی فانی کے معنی میں آیا ہے"

چلیے اِس سے ایک جھگڑا تو مِٹا۔ بعض عُلما مُتلاشی کو غلط اور تلاشی کو صحیح بتاتے ہیں، اور اُن کا یہ قول تسلیم نہیں ہُوا تو دُرست ہوا۔ اب رہی متلاشی کے عربی معنی کی بات، تو ہم پہلے بھی کہیں وضاحت کر چکے ہیں کہ کسی ایک زبان میں موجود الفاظ پر ہم دوسرے مُروج الفاظ کی قواعد کا اِطلاق کر کے مختلف تراکیب و الفاظ اور صیغے تراش لیتے ہیں۔ اب تلاشی اور مُتلاشی کے عربی معنی پر اصرار کیوں کیجیے بلکہ یہ مانیے کہ ہمارے ہاں تلاش [جو اصلاً تُرکی ہے] بمعنی جستجو موجود تھا۔ اُسے ہم نے عربی قواعد کی رُو سے فاعل بنا لیا، معنی تلاش کرنے والا۔ اور یہ زبان میں نہ صرف رائج ہو گیا بلکہ مُستحکم بھی ہو گیا۔ اب اِسے نکالنا مُمکن نہیں۔ اگر عربی معنی ہی پر اصرار کرنا ہے تو تلاشی لینا، خانہ تلاشی جیسے فقروں کو بھی زبان سے خارج کرنا ہو گا کہ یہ خانہ نیست و نابود ہونا، اور تلاشی لینا، "ہلاکت مُول لینا" ہو جائیں گے۔

"مَتن۔ ع۔ مذکر (بالفتح)....."

لکھنے میں مَتُن ہی آتا ہے، بولا عموماً مَتّن جاتا۔ اگرچہ پڑھے لکھے لوگ خصوصاً محققین بہت احتیاط کرتے ہیں۔ پھر بھی مُنہ سے مَتّن نکل ہی جاتا ہے۔

"مُتَوَفّٰی۔ ع۔ وفات پایا ہوا۔ مُتَوَفّٰی کی جگہ (مُتَوَفِّی) کہنا سخت غلطی ہے کیوں کہ (مُتَوَفِّی) کے معنی ہیں وفات دینے والا....."

اَب اِس کا کیا کیا جائے کہ اُردو والے مُسمّی بھی کہتے ہیں [یہ عدالتی اصطلاح ہوگیا ہے] اور مُتَوَفّٰی بلکہ مُتَوَفِّی بھی۔

"مُجاوِر۔ ع۔ ہمسایہ..... اردو میں درگاہ کا محافظ، مقدس مقامات کا خدمتی.... جاہل بفتح واو کہتے ہیں۔"

اگر معنوی تبدیلی کو گوارا کیا ہے تو صوتی تبدیلی کو بھی گوارا کیجیے کیوں کہ اُردو میں "عالِم کم اور جاہل" بیشتر ہیں یعنی مُجاوِر کہنے والوں کی تعداد مُجاوَر کہنے والوں کی نسبت کم ہے۔

"مَجَلّہ۔ ع۔ (بالفتح وتشدید لام) نامہ۔ کتاب۔ رسالہ..... بضم میم (مُجَلّہ) یا بہ کسرِ میم مِجَلّہ [کذا] کہنا غلطی ہے۔

اُردو میں مُجَلّہ ہی کہا جاتا ہے۔

"مُخاطِب۔ ع۔ (بکسرِ طا) خطاب کرنے والا.... اور (بفتح طا) وہ شخص جس کی طرف خطاب کیا جائے..... مُخاطِب کی جگہ (مُخاطَب) یا اِس کے بالعکس کہنا نہ چاہیے۔ البتہ میں طلبہ سے مُخاطِب (بہ کسرِ طا) ہوا۔ میں نے معتمد کو مُخاطَب (بفتح طا) کر کے کہا میں آپ سے مُخاطِب نہیں ہوں۔"

بجا۔ دُرُست۔ لیکن ایک ہی لفظ کا دوگونہ استعمال [معنی میں فرق سہی] الجھن میں ضرور ڈالتا ہے۔ اس لیے اکثر جاہل نہیں عالِم بھی ایک کی جگہ دُوسرا لفظ اِستعمال کر جاتے ہیں اور کوئی مُعترِض نہیں ہوتا۔

"مُخطِی۔ ع۔ وہ شخص جس کا ارادہ صواب کا ہو لیکن بلا ارادہ خطا ہو جائے اور خاطی وہ

بالا ہم نے اصول زبان وضوابطِ لسان کا ایک ایسا انتقادی لغت لکھا ہے جو انشاء اللہ تمام اغلاط و [ص ک] تسامحات سے اُردو زبان کو پاک و صاف کر دے گا اور دوسرے تمام منتشر لہجوں کو متحد العمل کر دے گا۔

ابتداً بعض احباب نے تحریک کی تھی کہ تصحیح اغلاط کا صرف ایک مقالہ لکھا جائے۔ پھر اس میں بتدریج وسعت ہوتی رہی حتّٰے کہ ایک چھوڑ دو مُلحقات[1] لکھنے پڑے۔ اثنائے تالیف میں ہند، ایران، عراق، عرب، روم، شام، مصر و افرنج وغیرہ کے تمام لغوی و استشہادی مطبوعات و انتشارات پیشِ نظر رہے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ قدیم و عصری ایسا کوئی لغت موجود نہیں ہے جو استشہاد کا کام کما ینبغی دے سکے۔ تقریباً تمام لغت ناقص ہیں۔ نقص کے علاوہ بعض تصحیف و تحریف سے مسخ ہو گئے ہیں۔ بعض اس لیے قابلِ استشہاد نہیں کہ اُن کے مُدوِّن لغوی اور زبان دان نہیں۔

اتماماً واضح ہو کہ اس کتاب کا مسودہ عدیم الفرصتی سے استعجالاً لکھا گیا ہے۔ اس لیے بہت ممکن ہے کہ کئی فروگزاشتیں ہو گئی ہوں۔ لہٰذا اگر کوئی صاحب اس کتاب کے سہو و خطا سے مطلع فرمائیں تو طبعِ ثانیہ میں نہایت شکریہ کے ساتھ اصلاح و ترمیم کر دی جائے گی۔" [ص ۵]

یہ طویل تمہید مِن وعن اور بے کم و کاست، مع اغلاطِ کتابت، اس لیے نقل کر دی گئی ہے کہ قارئین کو اندازا ہو جائے کہ مؤلفین کرام زبان دان و لُغویین ہیں بلکہ ماہرِ لسانیات ہونے کے بھی مُدّعی ہیں۔ اُن کے مفصلہ بالا بیانات نہ صرف دل چسپ لگے بلکہ اُنھوں نے اتنا مُتاثر و مرعوب کیا کہ ہم نے بے ارادہ ہی کتاب کا مُطالعہ شروع کر دیا، اور جوں جوں پڑھتے گئے، غرقِ حیرت ہوتے گئے۔ ممکن ہے کہ مؤلفین دنیا کی تمام زندہ و مردہ زبانوں

---

[1] اردو میں ضمیمے کہتے ہیں۔ جب اردو میں ضمیمے کہتے ہیں تو پھر آپ بھی یہی کہیے، عربی بولنے کی کیا ضرورت ہے؟ عابد

شخص جو بالارادہ خطا کرے۔"

اُردو میں مُخطی کا علم بھی کم لوگوں کو ہوگا۔ خاطی خطا کرنے والے کے لیے مُستعمل ہے، خطا بالارادہ ہو یا بلا ارادہ۔

"مَدرَسہ۔ ع۔ (بفتح را)..... بکسر را (مَدرِسہ) غلط۔ جہلہ (مَدرَسہ) بھی کہتے ہیں۔"

اُردو میں مَدرَسہ اور مَدرِسہ دونوں طرح بولا جاتا ہے۔ مَدرِسہ کوئی نہیں بولتا۔ مَدرَسہ بولنے والوں کو آپ جاہل کہیں یا عالم لیکن دلّی میں ہمایوں کے مقبرے کو آج بھی مَدرُسہ کہا جاتا ہے۔ اِس کے برعکس کہنے والا شاید جاہل کہلائے۔

"مَدِمَغ۔ یا مَدمَغ۔ دونوں طرح اردو والوں نے بنا لیا ہے۔ بمعنی مغرور متکبرؔ عربی میں نہیں آیا ہے۔ لہٰذا غلط ہے۔"

عربی میں نہیں آیا تو عربی میں غلط ہوگا۔ اُردو میں آتا ہے تو دُرست ہے۔ کیا صرف عربی زبان کا وجود ہے اور اُردو سِرے سے مفقود زبان ہے؟ اُردو میں یہ مغرور و متکبرؔ ہی نہیں، بدماغ، پریشان یا ناراض کے معنی میں بھی آیا ہے۔

"مُدَّعےٰ علیہ۔ ع۔ جس پر دعویٰ کیا گیا اور مُدَّعی۔ دعویٰ کرنے والا۔ مُدعِیِ عَلَیہ کہنا غلط ہے۔"

کوئی نہیں کہتا، جاہل محض بھی نہیں۔ ایسی فرضی غلطیاں عِلمی کتابوں میں زیب نہیں دیتیں۔

"مذاق۔ ع۔ چکھنا۔ محلِّ ذائقہ..... اردو والے باہمی اختلاط۔ آپس کی چُہل۔ رغبت۔ میلان۔ رجحان۔ سلیقہ۔ لطف۔ ہنسی۔ ٹھٹا۔ ظرافت۔ تمسخر۔ مزاح۔ دل لگی۔ کھِلی کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔"

تو یہ سب معنی اُردو کے ہوئے۔ اور ان معنوں میں یہ لفظ اُردو ہوا۔ لُغت میں؛ ع۔ ف۔ ت وغیرہ لکھنے کا مطلب صرف یہ ہونا چاہیے کہ

قاری کو اطلاع مل جائے کہ کون لفظ کہاں سے آیا ہے۔ اگر عربی، فارسی، ترکی وغیرہ میں کوئی لفظ مستعمل نہیں تو اُس کا اندراج الگ سے ہونا چاہیے اور زبان کی صراحت کے لیے اُس کے آگے " و " [اُردو] لکھنا چاہیے اور بس۔ ایک رائج لفظ کو غلط یا صحیح کہنا مناسب نہیں۔ اگر لفظ مروج و مقبول ہے تو درجِ لغت ہوگا ورنہ درج نہیں کیا جائے گا۔

" مَرطُوب۔ عربی میں نہیں آیا ہے۔ فارسی والوں نے بنا لیا ہے۔ صاحبِ منتخب نے مرطوب (رطوبت ناک) لکھا ہے۔ اس کی جگہ (رطَب) صحیح ہے۔۔۔۔"

قطعاً صحیح نہیں۔ مَرطوب ہمارے ہاں آب و ہوا سے مخصوص ہو کر اصطلاح ہو گیا ہے۔ لہٰذا یہاں کی آب و ہوا رطَب ہے کہنا مہمل ہوگا۔

" مُرغّن۔ غلط ہے۔ روغن سے گڑھ لیا ہے۔ جس میں روغن زیادہ ہو اس کو مُرغّن کہا جاتا ہے۔"

جب کہا جاتا ہے تو اعتراض کیا ہے؟ مُرغّن غذائیں تو مولفین کو بھی مرغوب ہوں گی!۔

" مُرُوّءَت / مُروّت } ع۔ (بضمتین و بضمتین و تشدیدِ واو)۔۔۔۔"

اُردو میں تو بالکل مختلف انداز سے بولا جاتا ہے: مُروّت۔

" مُزدُور۔ (دراصل مُزد اور وَر سے مرکب ہے)۔۔۔۔ مَزدُور بفتحِ میم عامتہ الناس اور جہلہ مَزور کہتے ہیں۔"

اَب تو خواص بھی مَزدُور ہی کہتے ہیں۔ مُزدُور کوئی نہیں کہتا۔

" مُزیّب۔ غلط ہے۔ زیب (فارسی سے) مُزیّب بنا لیا ہے۔۔۔۔ افسوس ہے کہ صاحب احسانی نے (زیب) کو عربی لکھا ہے اور آتش نے غلط لفظ (مُزیّب) کو استعمال کیا ہے۔"

افسوس کی کوئی بات نہیں۔ مُزیّب، مُرغّن، مُلمّع، مُلبّس، مُکلّف، وغیرہ اتنے الفاظ مستعمل ہیں کہ غلط صحیح میں امتیاز ہی نہیں ہو پاتا۔

لہٰذا جو عربی نہیں اُسے اُردو کہیے۔

"مِساحت ۔ ع ۔ مونث (بالکسر) زمین کو ناپنا..... بالفتح (مَساحت) غلط ہے ۔"

مَساحت بولا جاتا ہے۔ البتہ بالکسر مسموع نہیں ہوا ۔

"مَسْئَلہ ۔ پوچھنا ۔ وہ امر جس کے متعلق پوچھا جائے ۔ جہلہ (مَسْلہ) کہتے ہیں ۔"

مَسْئَلہ لکھتے اور مَسْلہ بولتے ہیں ۔ معنی بھی اُردو میں وہ نہیں جو عربی ہیں

ہیں ۔ ہم تو اَب مُشکل، اُلجھن، PROBLEM کے معنی میں بولتے

ہیں مثلاً: کیا مَسْلہ ہے بھائی ؟ عُلما شعوری طور پر مَسْئَلہ اور غیر شعوری

طور پر مَسْلہ بولتے یا بول جاتے ہیں ۔

"مُساوِی ۔ (بالضم) برابر..... لیکن مَساوِی مَساءَہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں

برائیاں......"

فرقِ معنی سے قطع نظر، اُردو میں مُساوِی اور مَساوِی دونوں طرح بولا

جاتا ہے اور معنی برابر لیے جاتے ہیں ۔

"مَسَرّت ۔ ع ۔ خوشی..... بضمِ میم (مُسَرّت) کہنا غلط ہے ۔ کیوں کہ مصدر میمی ہے

جو بالفتح ہوتا ہے ۔ جیسے مَحَبَّت، مَرَمَّت، مَذَمَّت، مَشَقَّت ۔"

اُردو میں تو مُسَرَّت، مُحَبَّت، مُرَمَّت، مُشَقَّت وغیرہ مُستعمل ہیں ۔

مَذَلّت کو تو مُذِلّت تک کہا جاتا ہے ۔ اِس کے علاوہ یہ سب لفظ اُردو میں

مَصدر نہیں بطورِ اسم مُستَعمل ہیں ۔

"مَشائخ ۔ جمع شیخ..... واحد پر اِس کا اِستعمال درست نہیں....."

جمع ہی سہی لیکن اَولیاء کی طرح قُدَمانے واحد بھی استعمال کیا ہے، اَب

البتہ سُننے میں نہیں آتا ۔ مصحفی:

ع ۔ اِک مشائخ سے دینی نسبتِ شعر

"مَشیخت ۔ ع ۔ (بفتح المیم والیاء بوزن ..؟ نیز شیوخ، اشیاخ وغیرہ) شیخ بمعنی،

مُسن) کی جمع ہے ۔ اِسی طرح مشیخت بروزن غنیمت بھی شیخ کی جمع آئی ہے لیکن اردو

میں (مَشیُخت) کے معنی ہیں بزرگی، شیخی، گھمنڈ، غرور ۔ اردو والوں نے (مَشیخت ما۔

بھی بنالیا ہے۔"

جب اُردو والوں نے معنی ہی اپنے بنالیے تو پھر مُشیخت مآب بنا لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ یا تو اُردو کے معنی تسلیم نہ کیجیے ورنہ ترکیب تراشی کی اجازت بھی دیجیے۔

"مُضَایَقَہ ۔ ع ۔ (بوزنِ مُفَاعَلَہ) تنگ کرنا۔ اردو میں پروا۔ ڈر۔ خوف۔ اسی طرح مُعَایَنَہ (بفتحِ یا) .... وغیرہ میں (یا) کی جگہ ہمزہ لکھنا غلط ہے کیوں کہ اِن کی (یا) اصلی ہے۔ بعض اصحاب ہمزہ مکسور سے لکھتے ہیں۔ اِس طرح مُعَائِنَہ .... وہ ڈبل غلطی کرتے ہیں۔"

مُضَائقہ میں ی اصلی ہو یا نقلی ["اصلی" میں بھی تو ی زائد ہی معلوم ہوتی ہے، آپ نے کیوں لکھا؟ ویسے ہم نے تو اصلیت بھی بنالی ہے، عَرَبی میں خُدا جانے کیا حال ہے؟] لیکن سُننے میں کسرہ آتا ہے۔ اِس لیے آج کے عُلَما اِسے ہمزہ سے لکھنے کی سفارش کرتے ہیں۔

"مَعتُوب ۔ گڑھا ہوا لفظ ہے۔ جس پر عتاب یعنی ملامت اور غصہ کیا جائے۔ اس کی نسبت مُعَاتَب کہنا چاہیے جو مُعَاتبہ وعتاب کا اِسم مفعول ہے۔"

کہنا تو بہت کچھ چاہیے لیکن کون کہتا ہے؟ مَعتُوب ہی رائج ہے گڑھا ہُوا سہی۔ اِسے اُردو کا لفظ تسلیم کر لیجیے۔ اُردو کے لیے عَرَبی سے سَند لینا کیا ضرور ہے؟

"معلومات .... تجربہ کے معنوں میں بعض واحد مونث۔ بعض جمع مذکر استعمال کرتے ہیں۔ اصول زبان کے لحاظ سے جمع مذکر درست ہے کیوں کہ معلومات مَعلُومہ کی جمع ہے۔ جو معروضہ منصوبہ کی طرح مذکر ہے۔ جب معروضات منصوبات (جو معروضہ اور منصوبہ کی جمع ہیں) جمع مذکر مستعمل ہوتے ہیں تو معلومات بھی جمع مذکر ہے۔ ان کی معلومات وسیع تھی۔ غیر فصیح۔ ان کے معلومات وسیع تھے۔ صحیح۔"

قاعدے کی بات دُوسری ہے۔ ہم نے البتّہ نہایت مُحتاط وعالِم ومحقّقین تک کی تحریروں میں واحِد مُونث کے طور پر لکھا دیکھا۔ عُلَما اور محقّقین کی

بات فی الوقت چھوڑیے۔ اور جانشینِ داغ، نوح ناروی کا ایک شعر سنیے:

ابھی کم سن ہیں معلومات کتنی وہ کتنے اور اُن کی بات کتنی؟

ویسے اِطلاعاً عرض ہے اُردو میں اس کے معنی تجربہ نہیں ہیں۔ منصوبہ اور معروضہ یقیناً مذکر ہیں لیکن معلومہ؟ معلومہ کے معنی ہیں وہ چیز جس کا علم ہو۔ معلومات کے معنی جانی ہوئی باتیں یا چیزیں ہوئیں اور یہ مؤنث ہے۔ ہم نے تو یہاں تک سُنا ہے کہ معلومات معلوم کی جمع ہے۔

"معمّے .... افسوس ہے کہ بعض لوگ معمّہ اور تقاضہ لکھنے لگے ہیں۔"

افسوس نہ کیجیے۔ یہ اِملا کا مسئلہ ہے۔ اب مُعمّا اور تقاضا لکھا جاتا ہے۔

"معیوب۔ اور مدیون اور معیون مُستثنیٰ ہیں اور لُغاتِ مُستند ہیں (مَعیب و معیوب) و (مَعین و معیون) دونوں طرح آئے ہیں۔ البتہ معتوب غلط ہے۔

اگر مَعیُوب مُستثنیٰ ہو سکتا ہے تو مَعتُوب کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیا اس لیے کہ مَعیوب، خلافِ قاعدہ، عَربی میں بھی آگیا ہے اور معتوب صِرف اُردو میں ملتا ہے؟

"مُغالَطہ۔ ع۔ غلطی میں ڈالنا۔"

اِس میں نہ کسی غَلَطی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور نہ کوئی اِعتراض کیا گیا ہے۔ درجِ کتاب کرنے کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا۔ البتہ ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اُردو میں اِس کے معنی غَلَطی میں ڈالنا نہیں بلکہ غَلَط فہمی اور دھوکا ہونا، لیے جاتے ہیں اور تلفُّظ میں ل کو ساکن کر کے بولتے ہیں، مُغالَطہ۔

"مَغرُور۔ غلط ہے۔ اسامی مفرور کہنا درست نہیں۔ عَربی میں مفرور کی جگہ (فرّ و فارّ) آتا ہے جو اردو فارسی میں مُستعمل نہیں۔ اِس کا مصدر فرار (بالکسر) ہے۔ بالفتح (فرار) کہنا غلط ہے۔ مغرور کی جگہ فرار شدہ کہہ سکتے ہیں۔"

فرّ و فارّ چوں کہ اُردو کے مزاج سے میل نہیں کھاتے تھے اِس لیے اُردو والوں

نے مَفرُور تراش لیا اور اَب بخوبی رائج ہے۔ فِرار [بالکسر] کو تو اَب غلط ہی
کہا جائے گا کہ عام و خاص سب فرار بالفتح بولتے ہیں۔ اور فرار شدہ خود
آپ کے مذہب کے مطابق غلط ہونا چاہیے۔

"مُقدّمُ الذِّکر۔ ع۔ کسی تحریر میں دو اشخاص کا نام آتا ہے اور بعد کو ہر ایک سے متعلق کچھ لکھا جاتا ہے تو جس کا نام آگے ہو اس کی نسبت (مُقدّمُ الذِّکر) اور جس کا نام پیچھے ہو اُس کی نسبت (مُؤخر الذکر) لکھتے ہیں۔ (مقدم الذکر) ذکر آگے کیا گیا۔ اور مُؤخرالذِکر (پیچھے ذکر کیا گیا) اس کی جگہ (اوّل الذکر) اور (آخر الذکر) نہیں لکھنا چاہیے۔ (اوّل الذکر۔ ذکر کا اوّل) اور (آخر الذکر۔ ذکر کا آخر) یہ الفاظ معنیٔ ادائے مفاہیم سے قاصر ہیں۔"

اَب تو اوّلُ الذِّکر اور آخرُ الذِّکر بخوبی مفہوم ادا کر رہے ہیں۔ مقدّم و
مُؤخرُ الذِکر بھی رائج ہیں۔

"مَقرُوض۔ عربی میں نہیں آیا۔ البتہ مدیون بطور استثناء آیا ہے۔"

اُردُو میں تو مَعتُوب بھی آتا ہے اور مَقرُوض بھی۔ اگر دین سے دیون بطور
استثنٰے آسکتا ہے تو قرض سے مَقرُوض بھی آسکتا ہے۔ آپ اسے عربی
نہ کہیے، اُردُو کہیے۔

"مَقنَاطیس۔ لوہا کھینچنے والا پتھر۔ چمُنگ [اَب ہندی میں اسے چُمبک کہا جاتا ہے۔] غیاث اللغات میں مِقناطیس (بالکسر) اور بحرالجواہر میں مَقُناطیس بہ فتح و غین معجمہ لکھا ہے۔ فارسی اردو میں مَقناطیس (بہ فتح قاف) کہتے ہیں۔ بالفتح اقربِ صحت ہے۔"

ہو گا۔ اُردُو میں بیشتر مِقناطِیس کہتے ہیں۔ کوئی کوئی بہ تکلّف مَقُناطِیس
بھی بولتا ہے۔

"مکتب‌خانہ۔ عربی میں مکتب (چھوٹا مدرسہ) کے معنی میں آیا ہے۔ اس پر فارسی والوں نے (خانہ) کا لفظ بڑھا دیا۔"

اگر اُردُو والوں نے بڑھایا ہوتا تو ضرور اعتراض کیا جاتا۔ فارسی والوں پر
ہمارا کیا زور؟

"مُکَرّر ۔ سکرّر (دوبارہ ۔ تبارہ) [تبارہ برابر ہے "تِ" مخفف تین جو ہندی کا لفظ ہے بار اور بارہ فارسی، پھر آپ نے تبارہ کیسے لکھا؟] ۔ اردو میں لکھتے ہیں ۔ مُکَرَّرا اسم مفعول ہے ۔ تکریر و تکرار کا اور صحیح ہے ۔ لیکن جُہلَہ کی گڑھت ہے ۔ مکرّر سکرّر کی جگہ تکراراً کہیں تو مفہوم ادا ہو سکتا ہے ۔"

اُردُو میں سُننے اور لکھنے میں آتا ہے ۔ اَب یہ تو نہیں معلوم کہ جُہلا کی گڑھت ہے یا عُلَما کی [ویسے جاہلوں کا حرف آشنا ہونا بھی مشکوک ہے، اِس قسم کے اَلفاظ گڑھنا تو دُور کی بات ہے] البتہ ہم نے "دَربارِ دُربار" مصنفہ صِدق جائسی میں بھی یہ لفظ پڑھا تھا ۔ اِس قسم کے الفاظ کی لِسانیاتی توجیہہ کہیں پیچھے کی جا چکی ہے ۔ اَب اپنے مجوّزہ بدل "تکراراً" پر بھی ذرا غور فرما لیجیے ۔ مکرّر، سکرّر وغیرہ کا محلِ استعمال شعر کی تعریف یا داد ہے ۔ آپ کو ایک شعر پسند آیا ۔ آپ نے داد میں مکرّر کہا ۔ اب یہ ایک لفظ نہیں پُورا فقرہ ہے یعنی پھر پڑھیے، بار بار پڑھیے وغیرہ ۔ اب اگر کوئی شخص مشاعرے میں شعر سُن کر دوبارہ پڑھوانا چاہے تو کہے "تکراراً" ؟ یعنی چہ ؟ عوام تو تکرار کا مطلب جھگڑا اور بحث مباحثہ ہی سمجھتے ہیں ۔

"مُلَبَّب ۔ لبالب سے بنا لیا گیا ہے جیسے جامِ مُلَبَّب جو غلط ہے ۔ اِسی طرح زلفِ مُتَرَّش لباسِ مُزَیَّب ۔ معجونِ مُبَہّی ۔ لوحِ مُطَلّا ...... مردِ مفلوک (فلک زدہ) فلاکت ۔ نزاکت ۔ بادشاہت ۔ تکشُّر ..... وغیرہ سب غلط ہیں ۔ کیونکہ فارسی الفاظ سے عَرَبی اوزان پر گڑھ لیے گئے ہیں ۔"

سب کی بابت تو کچھ نہیں کہا جا سکتا البتہ مُلَبَّب، مزیّب ۔ مُبَہّی، مُطَلّا [بلکہ مُطَلّا و مُذہّب] مفلوک [مفلوک الحال میں] فلاکت، نزاکت، بادشاہت اور تکشُّر سب اُردُو میں موجُود ہیں ۔ ویسے بادہ، طِلا اور کشمیر کا فارسی الاصل ہونا تحقیق طلب ہے ۔

"مُلزَم ۔ ع ۔ الزام لگایا گیا ۔ قصوروار ۔ بجائے مُلزِم (مُلزَم) کہنا غلطی ہے ۔"

لیکن اب تو یہی رائج ہے۔ لہٰذا ملزَم کہنے والا غلط سمجھا جائے گا۔ یہ نادر مثال نہیں ہے۔ اُردو میں عربی کے کئی الفاظ فاعل سے مفعول اور مفعول فاعل کے معنی میں رائج ہیں۔ اَب اسی رائج کے لفظ کو لیجیے۔ قاعدے سے یہ فاعل ہے۔ لیکن معنی مُروّج [مفعول] کے دیتا ہے۔

"مَلِکَہ۔ ع۔ (مَلِک کی تانیث)..... بہ سکونِ لام (مَلْکہ) کہنے سے احتراز چاہیے۔ کیوں کہ یہ غلط ہے۔"

بہ تسکین الاوسط غَلَط کیوں ہے؟ مُجرّد مَلِکَہ تو ایک بار کو کہہ بھی لیجیے مَلِکہ، مُعَظّمہ کہیے تو آنتیں حلق میں آجائیں۔

"مُنافع۔ غلط ہے۔ نَفعْ کی جگہ مُنافع کہنا غلط ہے اور مَنافع منفعت کی جمع ہے۔"

اُردو میں نفع ہی کے معنی میں بطورِ واحد مُستعمل ہے۔ پاکستان میں تو INTEREST جسے سوُد کہتے ہیں [معنی حالاں کہ اُس کے بھی نفع ہی ہیں] کی جگہ مُنافع استعمال کرنے لگے ہیں کہ سوُد اسلام میں حرام ہے۔

اُردو میں خدا جانے اَور کتنی ہی جمعیں بطورِ واحد مُستعمل ہیں جو عوام و خواص سب لکھتے بولتے ہیں۔ کس کس کی زبان بند کیجیے گا؟ آخر آپ اصول کو بھی تو واحد بولتے ہیں۔

"مُنتخَب شدہ۔ مُنتخَب۔ خوُد اسم مفعول ہے۔ پھر شدہ زیادہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اِس کی جگہ انتخاب شدہ صحیح ہے۔"

سخت ضرورت ہے۔ پہلے بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ ایک زبان کے الفاظ مِن وعن دوسری زبان میں اِستعمال نہیں ہو سکتے۔ اگر ہوں تو پُورا مفہوم ادا نہیں کرتے۔ لہٰذا ہم مُنتخَب شُدہ کو جُملے میں استعمال کرنے کی بجائے یہ سوال کرنا چاہتے ہیں کہ انتخاب کے کیا معنی ہیں؟ انتخاب مصدر ہے، معنی ہوں گے پسند کرنا، چُننا۔ منتخب کے معنی ہوئے: پسند کیا گیا۔ اب اِنتخاب شُدہ کے لفظی معنی کیجیے:

پسند کرنا ہُوا یا ہُوئے۔ یا چُننا ہوئے، یعنی چہ؟ گویا ہم انتخاب کو بعینہٖ

عَرَبی معنی میں اِستعمال کرتے ہیں اور نہ مُنتخَب کو۔ اب یہ جُملہ دیکھیے :
میں نے یہ چند غزلیں دیوانِ غالب سے مُنتخَب کی ہیں مطلب ہوگا:.....
دیوان غالب سے چُنی ہوئی کی ہیں۔ اور اگر کہیے کہ دیوان سے انتخاب کی
ہیں، تو لفظی مطلب تو یہی ہوگا نا کہ: دیوان سے پسند کرنا کی ہیں۔ اور
یہ کوئی زبان نہیں۔ ظاہر ہوا کہ دخیل اَلفاظ مُحصِّل زبان میں اُس کے اپنے
مزاج کے مطابق ترکیب پاتے ہیں۔ اُس پر اصل زبان کے قواعد کا اطلاق
کرنا یا اِس پر اصرار کرنا گمراہ کُن ہے۔ ہم تو انتخاب کو بھی بطور مفعول استعمال
کرتے ہیں، مثلاً ع

اُس کے خیال میں وَرقِ اِنتخاب تھا۔ [مومن]

"مَنصِب۔ ع۔ (بکسر صاد) مقام: رتبہ..... اُردُو اَور فارسی والوں نے لب اور تب
کے قوافی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔"

جو اُردُو میں مُروّج ہے، وہی اُردُو ہے۔ مَنصَب کہا جاتا ہے، مَنصِب کوئی
نہیں بولتا۔

"مَوانعات۔ غلط ہے۔ اس کی جگہ (موانع) کافی اور صحیح ہے۔ عَربی جمع الجمع کا اِستعمال
اردو ادبا و فصحا نے (خاص خاص الفاظ کے سوا) ناجائز قرار دیا ہے۔"

خاص خاص اَور عام عام سے کیا مطلب؟ جہاں اپنی مجبُوری دیکھی وہاں
جائز قرار دے لیا ورنہ ناجائز۔ ہم پہلے لکھ چُکے ہیں کہ اُردُو میں جمع کو چھوڑ
کر جمع الجمع کو بطور جمع استعمال کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے، اور یہی اِس
لفظ کا جواز ہے۔

"مَورِد..... بفتح را کہنا غلط ہے۔

ہم نے تو میم کے ضمّے سے بیشتر سُنا ہے، مُورِد۔

"مَوسِم۔ ع۔ (بفتح میم وکسرِ سین) مُوسَم غلط ہے۔ فارسی اور اردو کے شعرا نے موسم
(بفتح سین) نَم۔ خُرّم وغیرہ کے قوافی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔"

لکھتے تو اب بھی مَوسِم ہیں لیکن بولتے پہلے مَوسَم ہوں گے [ورنہ ذوقؔ ایسے اُساتذہ نہ لکھتے] اور اَب بھی مَوسَم اور مُوسَم [بہ واوِ مجہول] لکھتے بولتے ہیں۔

"مَہار } ف۔ (بروزن بہار)۔ اونٹ کی نکیل۔ اردو والے بضمِ میم بھی بولتے ہیں۔"
مُہار }

چلیے آپ کو "بضمِ میم بھی" بولنے پر اعتراض نہیں۔ ویسے "بھی" نہیں بضمِ میم مُہار ہی بولتے ہیں۔ ہمیں اس کے معنی پر بھی شُبہ ہے۔ "نکیل" کو تو نکیل ہی کہتے ہیں لیکن اُس کے ساتھ جو رسی بندھی ہوتی ہے اور لگام کا کام دیتی ہے، مُہار اُسے کہا جاتا ہے۔

"مہربانگی .... مہربانگی غلط ہے۔ اسی طرح ناراضگی اور ادائیگی۔ جس لفظ کے اخیر میں (ہ) ہو اگر اُس پر یائے مصدری لگائی جائے تو (ہ) (گ) سے بدل جاتی ہے۔ جیسے آزُردہ رُنجیدہ سے آزُردگی رنجیدگی۔ مہربان۔ ناراض۔ ادا کے اخیر میں تو (ہ) نہیں ہے اُن پر یائے مصدری لگائیں تو مہربانی، راضی، ادائی کہیں گے نہ کہ مہربانگی۔ ناراضگی۔ ادائیگی۔ ان میں (گ) کہاں سے آگیا۔ اور آزادگی اس لیے صحیح ہے کہ آزادہ سے ہے۔ جو لوگ آزاد سے آزادگی سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں......"

ہم نے یہاں مہربانگی اس لیے نقل نہیں کیا کہ اس کی وَکالت مقصود ہے۔ ہمارا مقصد تو ناراضگی اور ادائیگی پر اظہارِ خیال کرنا ہے۔ مہربانگی تو ہم نے کسی بانگڑو سے بھی نہیں سُنا کم از کم کوئی اُردو بولنے والا مہربانگی نہیں بولتا۔ رہی آزادگی کی تاویل تو ہماری سمجھ میں تو یہ بھی نہیں آتی۔ آزادہ کہاں کا لفظ ہے؟ اصلاً تو آزاد ہی ہے اور اُسی پر فارسیوں نے ہ زائد کر کے آزادہ بنا لیا ہے۔ مُمکن ہے معنی میں بھی کُچھ فرق کرتے ہوں کیوں کہ آزاد خیال اور آزادہ رَو کی تراکیب میں ہمیں آزاد اور آزادہ کے معنی کچھ مُختلف لگتے ہیں۔ بہرحال اُردو میں آزادی موجود ہے اور آزادگی النّادر کالمعدوم۔ [ایک جگہ مولانا محمد حسین آزاد نے البتہ لکھا ہے کہ "آزادگیِ آزاد نے یہاں بھی ..... الخ" اور یہاں اِس کا تعلق آزاد سے لگتا ہے نہ کہ آزادہ سے۔]

کے عالِم ہوں (اُردو کے یقیناً نہیں معلوم ہوتے) ہمیں تو محض ایک یعنی اُردو زبان جاننے کی خوش فہمی تھی اور وہ کتابِ زیرِ بحث کے مُطالعے سے دُور ہو گئی، اور ہم پر اپنے جاہل ہونے کا نہایت تکلیف دہ انکشاف ہو گیا۔ خوشی صرف اِس امر کی ہے کہ اس کتاب کی روشنی میں ہم اکیلے ہی جاہل نہیں بل کہ اکثر و بیشتر اُردو بولنے والے ہمارے شریک ہیں۔ اِس سے پہلے کہ ہم حاصلِ مُطالعہ میں آپ کو بھی شریک کریں۔ یہ گزارش کر دیں کہ زیرِ نظر کتاب چوں کہ بازخوانی کا شاخسانہ ہے، اس لیے ہم نے اسے "گاہے گاہے باز خواں" کا نام دیا ہے۔ دوسری عرض یہ کرنی ہے کہ جس کتاب میں ایک عالِم کی غلطیاں گنوائی گئی ہوں اُس میں الفاظ و تلفّظ کی صحت کا خُود بھی خیال رکھنا چاہیے۔ جس کا اہتمام کم از کم اِس تمہید میں نظر نہیں آتا۔ خیر، اِسے کاتب کے کھاتے میں ڈالیے۔ مُولفین نے استعجالی کتاب لکھنے کا عذر بھی پیش کیا ہے اِس لیے ممکن ہے عُجلت میں اُنھیں اِس امر کا خیال ہی نہ رہا ہو۔ لہٰذا اِس سے صَرفِ نظر کیجیے۔ اگر فقروں کی ساخت و ترکیب (اس کے لیے ہمارے ذہن میں ایک ترکیب "دروبست" تھی لیکن لُغت سے اِس کی تصدیق نہیں ہوتی اِس لیے مجبوراً نہ لکھی) میں آپ کو بھی ہماری طرح اُلجھن ہُوئی ہو، تو معذرت، مُولفینِ کرام کی طرف سے نہ سہی ہماری طرف سے سہی کہ ہم نے آپ کو یہ عبارت پڑھنے پر مجبور کیا ہے۔

عابد پیشاوری

فارسی میں موجود ہو تو ہمیں علم نہیں۔ یوں اُردو کا سارے کا سارا اَدَب دیکھنے کا ہم دعویٰ بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ فارسی میں آزاد اَور آزادہ دونوں ہیں۔ آزاد کی جمع آزاداں اور ہ زائد سے آزادگاں [قرار برکفِ آزادگاں نہ گیرد مال سعدی] اور فارسی والے دونوں کو من مانے طور پر ایک دوسرے کی جگہ استعمال کر لیتے ہیں۔ ادائیگی کی کوئی تاویل ہماری سمجھ میں نہیں آتی، پھر بھی ادائی ہمارے گلے نہیں اُترتا۔ سب ادائیگی لکھتے بولتے ہیں۔ اگر کوئی ایک آدھ شخص ادائی لکھتا یا بولتا ہے تو قابلِ توجہ نہیں۔ اُسے الشاذ کالمعدوم سمجھنا چاہیے۔

اَب آئیے ناراضگی کی طرف۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری سمجھ میں خود ناراض ہی نہیں آتا۔ آخر یہ کس زبان کا لفظ ہے۔ مُرکّب ہے یا مُفرد۔ "نا" تو صریحاً کلمۂ نفی لگتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو یقیناً راض کوئی لفظ ہوگا۔ لیکن کس زبان کا؟ عَرَبی ہم جانتے نہیں۔ فارسی میں [جتنی ہم نے پڑھی ہے] راض کہیں نظر سے نہیں گزرا۔ ض کی موجودگی [بڑی مُشکل ہے۔ موجود سے موجودی کہنا چاہیے ہو سکتا ہے آپ اِسے موجودہ سے بتانے لگیں جو شاید ہم تسلیم نہ کر سکیں۔ ہماری مُشکل یہ ہے کہ ہم موجود کو عَرَبی سمجھتے ہیں وجود سے یعنی وجود دیا گیا ہُوا، پیدا کیا گیا ہُوا۔ پھر موجودہ کو کس کھاتے میں ڈالیں؟ کیا فارسی کے؟ گویا یہ عربی پر فارسی کا تصرُّف ہے۔ یہ بھی ممکن ہے لُغوی ہونے کے ناتے آپ اس کا رشتہ عَرَبی سے نکال ہی لیں، مگر گی کو کس کھاتے میں ڈالیے گا؟] اِس کی عَرَبی اصل پر مُشعِر ہے۔ لیکن کیا عَرَبی میں راض آتا ہے، غالباً نہیں۔ اگر یہ عربی ہے تو اس پر فارسی کا حرفِ نفی نا کہاں سے

آیا اور کس نے لگایا؟ عربی میں رضا ہے، راضی ہے، رضی ہے لیکن راض؟ ممکن ہے مخفف ہو جو صرف راضی سے ہو سکتا ہے۔ اگر یہ اصلاً راضی ہے جس کے معنی خوش ہیں اور اس پر اگر فارسی کلمۂ نفی لگانے کی اجازت ہو [شاید ہے، آخر ہم ناکافی بھی تو کہتے ہیں البتہ پتا نہیں عربی والے اسے معتبر مانتے ہیں یا نہیں] تو لفظ بنا ناراضی۔ معنی ہوئے ناخوش۔ اور یہی معنی ہم ناراض کے لیتے ہیں۔ اب اگر ناراضی کے معنی ہیں ناخوش تو ناخوشی کے لیے کیا کریں۔ ہم یہ تو جانتے ہیں کہ جس لفظ کے آخر میں ہ ہو تو اس پر یائے مصدری لگاتے ہوئے ہ کو گ سے بدل دیتے ہیں [فارسی میں، عربی کا ہمیں علم نہیں] لیکن جس لفظ کے آخر میں ی ہو وہاں کیا کریں؟ ہمیں اس پر یائے مصدری لگانا ضرور ہے۔ تو کیا ی کو ہ فرض کریں اور گی کا اضافہ کریں؟ بہرحال کچھ بھی ہو، ہماری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آتا۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ناراض خود غلط اور بے معنی لفظ ہے، لیکن رائج ہو گیا ہے تو ایک خوب صورت لفظ ناراضگی کو بھی گوارا کر لیجیے ورنہ ناخوشی کے بے ناراضی کی صحت کو ثابت کرنا لوہے کے چنے ہو جائیں گے یا پھر ع:

سانپ چھچھوندر سی گتی ہوئی۔

"میت۔ ع۔ (بفتح میم و کسر یائے مشدد) وہ جو قریبِ مرگ ہو۔ جنازہ۔ لاش۔ اردو والے بفتح یائے مشدد کہتے ہیں جو درست نہیں۔ اسی طرح جید، سید، طیب وغیرہ بکسر یا صحیح لیکن بفتح یا غلط ہیں۔"

مَیَّت اور مَیِّت اُردو میں دونوں طرح بولا جاتا ہے۔ البتہ سیِّد وغیرہ کوئی نہیں بولتا۔ ان کا تلفُّظ بالاتفاق سیَّد، جیَّد، طیَّب ہوگیا ہے۔

"نَجات۔ ع۔ بالفتح۔ مخلصی۔ رہائی۔ بالکسر غلط ہے۔"

اُردو والے نَجات اور نِجات دونوں طرح بولتے ہیں۔

"نَشَاستہ۔ ف۔ بالفتح مستعمل ہے۔ اگرچہ نِشاستن (بٹھلانا) بالکسر سے مشتق ہے؛

ہم نے تو نِشاستہ ہی سُنا ہے۔ ممکن ہے کچھ لوگ بالفتح نَشَاستہ کہتے ہوں۔

"نَشَاط۔ ع۔ مونث (بالفتح) خوشی.... بالکسر (نِشاط) غلط ہے۔"

اُردو والے تو نِشاط ہی کہتے ہیں۔

"نَفَع۔ ع۔ مذکر۔ (بالفتح) (ضدِ ضرر) فائدہ۔

لکھتے تو سب نَفْع ہیں لیکن بولتے نَفَع ہیں۔ دکنی [قدیم اردو] میں تلفُّظ کے مطابق لکھنے کا رِواج تھا اس لیے سب رَس وغیرہ میں نَفا لکھا ملتا ہے۔ دریائے لطافت میں اِنشا بھی یہی کہتے ہیں۔

"نِقاب۔ ع۔ بالکسر..... بالفتح غلط ہے۔"

اُردو والے نَقاب ہی بولتے ہیں۔ اَن پڑھوں کی زبان سے البتہ نِقاب بھی سُننے میں آیا ہے۔

"نِقاط۔ ع۔ (بالکسر) جمع نُقطہ۔ اسی طرح (نِکات) بالکسر جمع نکتہ۔ (بالضم) نُقاط یا نُکات کہنا غلط ہے۔"

اُردو میں نُقاط بالضم اور نِکات بالکسر بولتے ہیں۔

"نقاہت۔ کمزوری اور ضعف و ناتوانی کے معنی میں نقہ سے بنا لیا ہے۔"

پھر! کیا ترک کر دیں؟

"نِقرِس۔ ع۔ بہ کسر نون ورا۔ ایک شدید درد جو پیروں کی انگلیوں اور ٹخنے میں ہوتا ہے...."

نِقرس اور نَقرَس سُنا گیا ہے نِقرِس بہ کسر را مسموع نہیں۔

"نقص۔ ع۔ مذکر۔ کمی۔ اُردو میں عیب..... بالضم نُقص غلط ہے۔"

اُردو میں نقص اور نُقص ہر دو صورت سُننے میں آتا ہے۔

"نکہت۔ ع۔ مونث (بالفتح)۔ (بکافِ فارسی) نگہت کہنا یا لکھنا سخت غلطی ہے۔"

اُردو میں نکہت اور نکہت دونوں طرح سننے میں آتا ہے۔ بلکہ بعض لوگ ناموں میں تو نکھت تک بولتے سُنے گئے ہیں۔ بکافِ فارسی کتابوں میں نظر سے گزرا ہے لیکن کہا نہیں جاسکتا کہ غَلَطُ الکاتب ہے یا مُصنفین نے بہ کاف فارسی لکھا تھا۔

"نِگران۔ ف۔ (بکسرِ نون وفتحِ کافِ فارسی)..... بسکونِ کافِ فارسی نگراں کہنا غلطی ہے۔"

کیوں؟ جب اکثر لوگ بولتے ہیں۔ تسکین الاوسط کے کھاتے میں ڈالیے۔

"نمکین۔ ف۔ نمک دار..... بسکونِ میم نہیں کہنا چاہیئے۔"

شُعرا بہ تکلّف نمکین باندھیں تو دوسری بات ہے ورنہ گفتگو میں تو نمکیں نہیں نمکین [بہ سکونِ میم و اعلانِ نون] بولا جاتا ہے۔

"نمود..... عموماً بالفتح مُستعمل ہے۔"

پھر غلطی کیا ہے؟

"نمونہ۔ ف۔ نمُونہ بہ ضمتین دراصل نمودن (بالضم)..... چوں کہ فارسی لفظ ہے نمونتہ عربی تنوین کے ساتھ کہنا غلط محض ہے۔"

اوّل تو اُردو میں سب نمونہ [بہ فتح نون] کہتے ہیں۔ دوسرے نمونتہ بھی رائج ہے۔

"نواب۔ ع۔ بہ تشدیدِ واو صحیح ہے۔"

اِس کے باوجود نواب بہ تخفیف بھی سننے میں آتا ہے۔

"نوید، نَوید۔ بہ ضم نون و یائے مجہول اور بہ نون مفتوح و یائے مجہول۔"

نُوید سُننے میں نہیں آیا۔ نَوید [بالفتح و یائے مجہول] کے علاوہ بعض حضرات کے مُنہ سے جدید فارسی کے لہجے میں نَوید بھی سُنا جاتا ہے۔

"نہنگ۔ ف۔ بالفتح۔ مگرمچھ۔ شیرِ دریا۔"

اُردو میں اکثر نِہنگ بکسرِ اوّل سُنا جاتا ہے۔

"نَیّر۔ بفتح نون وکسر یائے مشدّد۔ اختر واخگر کے وزن اور قافیہ کے ساتھ صحیح نہیں۔ عربی مداں کے کلام میں (نیّر) (اختر) آبھی گیا ہو تو قابلِ استناد نہیں۔ اس لیے کہ عربی لفظ میں عجم کا تصرّف نامقبول ہے سوا چند محاوروں کے وہاں حکم معجمہ پیدا ہو گیا ہے جیسے کافر۔ غالب ـــ ......"

یہ عجیب منطق ہے۔ جس غالب کی سند پر کافر میں "حکم معجمہ" پیدا ہو گیا ہے، نیّر اُسی غالب کی سند کے باوجود ناجائز ہے۔

"واقعی۔ اردو والوں نے (واقع) پر یائے نسبت لگا کر (واقعی) بنا لیا ہے۔"

کوئی اعتراض نہیں کیا گیا۔ گویا اُردو والوں کا یہ تصرّف مقبول ہے؟

"وارستہ۔ (بفتح را) آزاد...... (بضم را) وارُستہ نہیں کہنا چاہیے۔"

اُردو میں رُستن کو بھی رُشتن کہتے ہیں، پھر وارُستہ کہنے میں کیا حرج ہے؟ بالفتح و بضمِ را ہر دو صورت مستعمل ہے۔

"والِہ۔ ع۔ شیفتہ...... (بکسرِ لام) صحیح بفتح لام (وَالَہ) غلط ہے۔"

اُردو میں وَالہ ہی مستعمل ہے۔ وَالِہ کوئی نہیں کہتا۔

"وِرَث۔ وِراثت (ہر دو بہ کسرِ واو) اِرث اِرثہ (ہر دو بکسرِ ہمزہ)۔ ع۔ میراث پانا...... وارث ہونا اور میراث لینے والے ترکہ پانے والے کو وارث کہتے ہیں جس کی جمع وُرّاث بالضم اور وَرَثہ (بفتحاتِ ہر سہ) ہے نہ وُرَثاء بوزنِ عُلما۔ لہٰذا غلط محض ہے۔ عجیب تر یہ ہے جو فرہنگ آصفیہ میں لکھا ہے وُرُثہ۔ ع۔ ترکہ میراث اور ورثہ بٹنا...... بہ کسرِ واو مستعمل ہے، ظاہر ہے کہ عربی میں وَرُثہ یا وِرثہ کوئی لفظ نہیں مستعمل ہے لہٰذا اس کی جگہ اِرث (وِرث) اِرث (میراث) بٹنا۔ اِرث (میراث) پانا اور میراث وراثت میں آنا صحیح اور فصیح ہے۔"

اس ساری اُلجھی ہوئی عبارت سے ہم یہ سمجھے ہیں وِرثہ کوئی لفظ نہیں اِس کی جگہ اِرث صحیح ہے۔ مگر اطلاعاً عرض ہے کہ اُردو میں وِرثہ ہی لکھا بولا جاتا ہے۔

"وُجوہات۔ غلط ہے۔ وجہ کی جمع وجوہ ہے......"

اُردو میں وُجوہ یا وُجوہ [جمع] اور وُجوہات ووجوہات [جمع الجمع] دونوں بطورِ جمع مُستعمل ہیں۔

"وَدَاع۔ ع۔ (بالفتح) رخصت کرنا..... (بالکسر) وِداع درست نہیں۔ ملاحظہ ہو الوَدَاع"

ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں اُردو میں وِداع اور الوِداع بولا جاتا ہے۔ وَدَاع بالفتح کوئی نہیں کہتا۔

"وَرطہ۔ ع۔ (بالفتح)......... جُہلا (بالکسر) وِرطہ کہتے ہیں۔"

اِس کا اعتراف تو پہلے ہی کیا جا چکا ہے کہ اُردو میں اُنھیں کی تعداد زیادہ ہے۔ اِس لیے وِرطہ پر غرقِ حیرت ہونے کی ضرورت نہیں۔ وَرطہ شاذ ہی کوئی بولتا ہوگا۔

"وَساطت۔ ع۔ مونث۔ بالفتح......"

اُردو میں وِساطت بھی سُنا جاتا ہے۔

"وُسعت۔ ع۔ مونث۔ بالضم..... (بالفتح) وَسعت غلط ہے۔"

پہلے سب وُسعت بولتے تھے۔ اِدھر چند برسوں سے وَسعت بھی سُننے میں آنے لگا ہے۔

"وَقعت۔ ع۔ مونث..... سختیِ کارزار..... اہلِ اُردو عزت کے معنی میں کہتے ہیں۔"

اُردو میں سختیِ کارزار کے معنی میں ہم نے نہیں سُنا لیکن عزت کے معنی میں وُقعت ضرور سنا ہے۔ وَقعت شاذ ہی بولتے ہوں گے۔ ویسے کتنا خلفشار ہے، وُسعت بالضم صحیح ہے اور وُقعت بالفتح۔

"وقیع۔ عربی میں ذی عزت کے معنی میں نہیں آیا۔ اُردو والوں نے وَقعت سے صفتِ مُشبہ گڑھ لیا ہے۔ اس کو ترک کر دینا چاہیے۔"

پتا نہیں اُردو میں تو آتا ہے۔ دو ایک معمولی لُغات میں بھی دیکھا تھا اور اُن میں اسے عربی لفظ بتایا گیا ہے۔ بہرحال اگر اُردو والوں نے گڑھ لیا ہے تو اپنی زبان

میں کچھ اضافہ ہی کیا ہے۔ اُس کا گلا تو نہیں گھونٹا؟

"ہاجَر۔ ع۔ حضرت اسمٰعیل ابن حضرت ابراہیم علیہما السلام کی والدۂ ماجدہ کا نام۔ ہاجرہ کی کوئی اَصلیّت نہیں۔"

یہ تو واقعی غضب کی اِطلاع ہے۔ اُن ہزاروں لاکھوں کو تو چھوڑیے جو ہاجرہ کو حضرت اسماعیل کی والدۂ ماجدہ کا نام سمجھتے ہیں، ہم تو یہ سوچتے ہیں جب ہاجرہ مسرورؔ کو معلوم ہوگا تو اس عمر میں اپنا نام کیوں کر بدلیں گی؟

"ہَجر۔ بالفتح۔ اور ہِجراں بالکسر جدائی کرنا..... [مثال میں خاقانی اور حافظ کا ایک ایک شعر فجر کے قافیے میں درج کیا گیا ہے۔] بعض کا قول ہے کہ ہَجر بالفتح مصدر ہے بمعنی جدائی کرنا اور ہِجر بالکسر اسمِ مصدر جُدائی۔ بہرحال فارسی اُردو شعرا اکثر بالکسر ہی استعمال کرتے ہیں۔"

غنیمت ہے کہ مؤلفین نے ہَجر بالفتح کی صحت پر اصرار نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے یہاں چلن کا جادو سر چڑھ کے بول رہا ہے۔ اِنشاؔ اور مرزا جعفر وقتیلؔ وغیرہم کے مابین بھی ہِجر اور ہَجر پر معرکہ ہُوا تھا۔ انشاؔ حافظ و قرآن کی سند پر جیت گئے تھے۔ اِس سے باوجود چلن نہیں بدلا، اور سب ہِجر بالکسر لکھتے بولتے ہیں۔ یہاں یہ عرض کر دینا بھی بے جا نہ ہوگا کہ اُردو میں ہِجر اب بھی جُدائی ہی کے معنی میں مُستعمل ہے نہ کہ بطورِ مصدر جُدائی کرنا کے معنی میں۔

"ہَندیاں۔ ع۔ مذکر۔ بیہودہ کہنا..... بالکسر ہِندیاں کہنا غلط ہے۔"

اُردو میں ہِندیاں ہی مستعمل ہے۔

"ہِزبُر۔ بہ کسرِ اوّل و فتحِ ثانی و سکونِ ثالث۔ شیر درندہ۔"

ہم نے بفتحِ اوّل سُنا ہے۔

"ہَلاکَت۔ فارسی والوں نے بنالیا ہے۔ تعجب ہے کہ صاحب منتخب نے ہلاکت (نیست شدن) لکھا ہے۔"

تو کیا "نیست کردن" لکھتے۔ بہرحال فارسی والوں نے بنایا ہو یا عربی والوں نے، اُردو میں مُستعمل ہے۔

"ہَلاہِل فارسی میں بہ فتح ہائے اوّل وکسرِ ہائے دوم بوزن حمائل ہے لیکن سنسکرت میں ہَلاہَل (بہ فتح ہر دو ہا) ہے ......"

اُردو، فارسی، سنسکرت سب میں بہ کسرِ ہائے ثانی ہے۔ مشہور دوہا ہے؛

[اغلباً عالم کوی] ۔ امی، ہلاہِل، مَدبھرے، شَو دیت، شیام، رتنار
جیئت، مَرت، جُھک جُھکِ پرَت جنیھی چتوت اک بار

ہندی میں اعراب کے پڑھنے میں غلطی کا امکان اس لیے نہیں کہ وہاں اعراب بالحروف مُستعمل ہیں اور ماترائیں بہت واضح ہیں۔

"ہَندَسَہ۔ بفتح ہا و سکون نون و فتح دال و سین انداز کا معرب ...... واضح ہو کہ ہَندَسَہ بوزن ترجمہ و حرجہ رُباعی ہے۔ اس لیے بہ کسرِ ہا غلط محض ہے خواہ کوئی لفظ معرب ہو۔"

یہ انداز کا مُعرّب ہو یا اندازہ کا، اُردو والے ہِندَسَہ کہتے ہیں۔

"ہَیزُم۔ ف۔ بالفتح و زائے معجمہ مضموم ....."

اُردو میں ہَیزَم بالفتح بولا جاتا ہے۔

"یثرِب۔ بکسر را ......"

اُردو میں یثرَب بفتح را بولتے ہیں۔

"یکسانیت۔ صحیح نہیں۔ اس لیے کہ یکساں فارسی ہے اور نیت بہ تشدید یائے مفتوح عربی الفاظ پر لگاتے ہیں۔ جیسے قابلیّت، جاہلیّت"

ایسے کئی الفاظ اُردو میں موجود ہیں جو عربی قاعدے سے بنائے گئے ہیں۔ جن کی لسانیاتی توجیہہ پیچھے گزر چکی ہے۔ یہاں صرف آدمیت پر اظہار خیال مقصود ہے۔ آدمی کو بالاتفاق فارسی لفظ کہا جاتا ہے۔ آدم عربی ہے آدمی نہیں۔ لہٰذا آدم اور آدمی پر بھی عربی [یت] مصدر کا اضافہ غلط ہے۔ چوں کہ ایسے بہت سے الفاظ چلن میں ہیں اس لیے ہم آدمیت کو بھی درست مانتے ہیں اور یکسانیت کو بھی، اور یگانگت کو بھی۔

ضمیمہ ۱/ا

PARTITION PAGE

"اِتفاق حسنہ۔ حسن کا مونث حُسْنَہ ہے۔ اتفاق کے ساتھ حسنہ کی ترکیب غلط ہے۔ اِسی طرح قرض حسنہ کیوں کہ اِتفاق اور قرض دونوں عربی اور اردو میں بھی مذکر ہیں پھر ہا (تا) سے تانیث کی کیا ضرورت ہے۔ اردو والے حَسْنہ بسکون سین کہتے ہیں یہ غلط در غلط۔" الہٰذا اِتفاق حَسَن اور قرضِ حَسَن کہنا صحیح ہوگا۔

اُردُو والے تو قرضِ حَسْنہ ہی کہتے ہیں: ہمیں یاد پڑتا ہے غالب نے اپنے کسی خط میں [غالباً] باقر علی، عارف کے چھوٹے بیٹے کی زبانی یہ فقرہ نقل کیا ہے۔ داداجان ہم کو ایک روپیہ قرضِ حَسنَہ دیجیے۔ گویا یہ ترکیب اُردُو میں ایک صدی سے زیادہ پُرانی ہے۔ اَب کون قرضِ حَسَن کہے گا؟

آپ نے حَسَن کا مونث حُسنَہ لکھا ہے۔ پھر عادتِ حَسَنَہ میں یہ حُسْنَہ ہوگا یا حَسَنَہ۔ ایک جگہ اسماے حُسنہ بھی لکھا ہے۔

"ارکین۔ عربی میں رکن ...... کی جمع اَرکان ہے...... اردو والوں نے رُکن کی جمع الجمع بنالی ہے۔"

کسی نے بنائی ہو، اُردُو میں اَب ارا کین بہت عام ہے۔ لہٰذا اِسے زبان سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔

"ارمان۔ ف۔ اردو فارسی کے شعرا نے باعطف و اضافت اس کا استعمال کیا ہے۔"

کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ فارسی لفظ کو عطف و اضافت کے ساتھ استعمال کرنا کیا غلط ہے؟

"اِضطرار۔ ع۔ مذکر۔ بے اختیاری۔
اِضطراب۔ ع۔ مذکر۔ بے قراری۔ } اِضطراب کی جگہ اضطرار کہنا درست نہیں"

اُردُو میں دونوں بطور مُترادف بھی مُستعمل ہیں اور مختلف المعنی بھی۔

"اوسان باختہ۔ اوسان اردو۔ باختہ فارسی۔ پھر یہ ترکیب کیونکر درست ہو سکتی ہے۔ اس کی جگہ حواس باختہ کہنا اور لکھنا صحیح ہے۔"

اصول وہ ہوتا ہے جس کا اطلاق ہمہ گیر ہو۔ اگر اصُول یہ ہے کہ دو غیر [مختلف خاندانوں کی] زبانوں میں آپس میں عطف و اضافت کا رشتہ قائم نہیں ہو سکتا تو یہ عَرَبی اور فارسی پر بھی اُتنا ہی صادق آتا ہے جتنا اُردُو اور عَرَبی/ فارسی کے تعلّق پر۔ خود اس کتاب کے مَتن میں کئی جگہ اِس قسم کے اعتراضات کیے گئے ہیں [اگرچہ اُن میں کوئی اصول مدِّ نظر نہیں رکھا گیا]۔ اب اگر اُردُو یا ہندی اور فارسی میں رِشتہ جائز نہیں [حالاں کہ لسانیات کی رُو سے دونوں ایک ہی خاندان کی زبانیں ہیں] تو عَرَبی فارسی میں یہ رِشتہ آپ کس بُنیاد پر قائم کرتے ہیں؟ اپنی مجوّزہ ترکیب حواس باختہ ہی کو لیجیے۔ حواس عربی باختہ فارسی۔ پھر اِس ترکیب کی صحت کا کیا جواز ہے؟ وَیسے اَوسان ایسا لفظ ہے کہ ہندی سے زیادہ فارسی لگتا ہے۔ اس میں مغالطہ ہونا فطری ہے۔ فی الوقت بیخود دہلوی کا ایک شعر یاد آ رہا ہے:

رکھ لیتے ہیں وہ چاہنے والے کا نیا نام
بیخود کو کہا کرتے ہیں اَوسان فراموش

کہیے، کیسا لگا؟ اگر MARRIAGES INTER CAST بین ذاتی شادیوں کے اس دور میں بھی اُردُو فارسی میں عطف و اضافت کا رِشتہ آپ کو ناجائز لگتا ہے تو کم از کم اتنی اجازت تو اب عام ہو جانی چاہیے کہ اگر ترکیب تراشی

ابتدائیہ

ہم نے کچھ باتیں عرض و معذرت میں عرض کی ہیں، بہت کچھ اور عرض کرنے کی گنجائش ہے، لیکن اگر یہ قصّہ چھڑ گیا تو شیطان کی آنت ہو جائے گا۔ لہٰذا اصل متن کی طرف آنے سے پہلے کچھ باتوں کا ذکر اجمالاً کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلے تو یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ مؤلفینِ کتابِ مذکور کے برعکس ہم نہ عالم ہیں نہ ماہرِ لسانیات، نہ لُغوی نہ قواعد داں۔ لہٰذا یہ تالیف نہ علمی ہے نہ عالمانہ۔ اس کا مقصد نہ اظہارِ علم و معلومات ہے، نہ کسی کو مرعوب کرنا۔ یہ نہ کئی ہزار یا صدہا اغلاط و تسامحات سے اُردو کو پاک و صاف کر دے گی نہ اس کی مدد سے کوئی صحیح مضامین لکھنے پر قادر ہو سکے گا، نہ شعر کہنا سیکھ پائے گا۔ یہ نہ دفتری و عدالتی عَمَلہ و فعلہ کو سیدھے راستے پر لگائے گی اور نہ لکچراروں اور پروفیسروں کو صحیح زبان سکھائے گی۔ اِس لیے کسی کا اِسے حرزِ جاں بنا کر اپنے پاس رکھنا بھی قطعاً ضروری نہیں۔ اس کی غَرَض محض یہ ہے کہ اِسے اُردو بولنے اور لکھنے والے ایک بار پڑھیں اور پڑھ کر اپنی زبان کا نہ صِرف اِس وقت جائزہ لینے پر مائل ہوں بلکہ آیندہ بھی، اگر خدا توفیق دے، تو گاہے گاہے اپنی زبان کا جائزہ لیتے رہا کریں تاکہ اُنھیں اپنی زبان میں ہونے والی تبدیلیوں کا اندازا ہوتا رہے۔ زبان میں تبدیلی اتنی آہستگی سے اور دبے پاؤں آتی ہے۔ کہ جو لوگ اُس زبان کو مستقل و مُسلسل بول رہے ہوں اُنھیں اِس کا علم ہی نہیں ہو پاتا تا وقتے کہ کوئی شعوری طور پر اُس کا جائزہ نہ لے۔

اِس سلسلے میں دس بارہ سال پہلے ہم نے ایک "سے می نار" کے لیے ایک طویل مقالہ بہ عنوان "آزادی کے بعد اُردو زبان میں ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ" لکھا اور لکھنؤ میں پڑھا تھا جو عصری ادب میں بھی شائع ہوا تھا اور اُتّر پردیش کے اساتذہ کی

میں خوش مذاقی کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور ترکیب مذاقِ سلیم پر گراں نہ گزرے تو اُسے غلط قرار نہیں دیا جانا چاہیے۔ ویسے ہمیں یقین ہے کہ وقت کے ساتھ باقی بےجا قیود بھی اُٹھ جائیں گی۔

"ایزد۔ ف۔ بہ کسرِ سوم ..... فارسی کے لُغاتِ معتبرہ میں بہ کسرِ سوم ہی لکھا ہے۔ تعجب ہے کہ انجمن آرائے ناصری میں میر یزد کے وزن پر لکھ دیا ہے۔ حال آنکہ پہلوی میں بھی بہ کسر را ہے۔"

اُردو کے لیے سندِ اُردو بولنے والے ہیں نہ کہ فارسی لُغات۔ چُناں چہ اُردو میں کوئی بہ کسرِ سُوم نہیں بولتا سب ایزد بفتح سُوم کہتے ہیں۔

"باغات۔ غلط ہے۔ عربی الفاظ پر "ات" لگا کر جمع بناتے ہیں۔ باغ تو فارسی لفظ ہے۔ تعجب ہے کہ ہندی الفاظ پر ات لگا کر جمع بنالی گئی ہے۔ جیسے کھنڈرات، پرگنات۔"

ہندی الفاظ پر ات لگا کر جمع بنانے کا سبب ہم ضمناً نحوی تبدیلیوں کے ذکر میں بتا چکے ہیں۔ یہ لسانیاتی جبر ہے جس کا کوئی چارہ نہیں۔ اَب رہی فارسی الفاظ پر ات لگا کر جمع بنانے کی بات۔ اگر خود فارسی والے ات لگا کر جمع بنالیں یا اپنے ہاں عربی کے صیغہ ہائے جمع کو بعینہٖ استعمال کریں یا عربی الفاظ پر ہا لگا کر فارسی جمع بنالیں [مثلاً صیغہ ہا] تو کوئی اعتراض نہیں۔ مزید حیرت اِس امر پر ہے کہ عرب تو اِس پر معترض نہ ہوں لیکن ہم ہندستانی بزعمِ خویش قاضی بنے اُن کے اندیشے میں دُبلے ہوتے رہیں۔ زبان کے چلن پر کسی کا زور نہیں چلتا۔ اِس لیے جس کا چارہ نہ ہو اُسے برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔ خود عربی والے کسی فارسی لفظ کو اپنالیں یا اُسے معرب کرلیں تو بھی کوئی اعتراض نہیں۔ صرف بے چاری اُردو ہی ایسا خربوزہ ہے جس کے اُوپر تلے عربی فارسی کی چھُریاں رکھ دی جائیں! باغ فارسی سہی لیکن کم از کم ایک لفظ بغداد کی حد تک تو اِس کے مخفف بغ کے استعمال پر عربی والوں کو بھی اعتراض نہیں۔ یہ سیدھا سیدھا باغِ داد ہے۔

عربی والے نہ یہ نام بدل سکے نہ اُنھوں نے اِس کے فارسی الاصل ہونے پر کوئی اعتراض ہی کیا۔

"بُحیرہ۔ ع۔ مذکر۔ (بضم باو فتح حا) تصغیر بحر۔ عربی میں جھیل کو کہتے ہیں..... اکثر علمائے ہند بُحیرہ کو سمندر کے معنی میں استعمال کر جاتے ہیں۔ جو اُن کی نادانی ہے۔ [علماء کی نادانی کا جواب نہیں۔] مثلاً بحرِ احمر کی جگہ بُحیرۂ احمر......"

بجائے نادانی اِسے معنوی تبدیلی کے ذیل میں رکھیے۔ بچپن ہی سے جُغرافیے کی کتابوں میں بچوں کو یہی پڑھایا جاتا رہا ہے۔ اَب جب کہ اُن کی عادت راسخ ہو گئی ہے آپ اُنھیں بتائیے کہ یہ غلط ہے۔ لہٰذا اپنی اِصلاح کرلیں۔ اَب بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے؟ یہاں یہ عرض کر دینا بھی بے جا نہ ہوگا کہ بُحیرہ ہمارے ہاں بکسرِ حا مُستعمل ہے۔

"بَدَوِی......"

اُردو میں اَوّل تو بَدّو مُستعمل ہے اور اگر کوئی بَدَوِی بولتا بھی ہے تو دال کو ساکن کر کے بَدْوِی بولتا ہے۔

"بلوغت۔ عربی میں بُلُوغ کے معنی ہیں...... شعرائے فارسی نے تصرّف کر کے بُلُوغت بنالیا ہے۔ بُلُوغت کی جگہ بلوغ کہنا فصیح ہے۔"

فصیح غیر فصیح ایرانیوں کو بتائیے جنھوں نے تصرّف کیا۔ اُردو والوں کو تو ایک لفظ بنا بنایا فارسی سے مِلا اور اُنھوں نے اُسے اپنا لیا۔ ویسے اُردو والے بَلُوغ اور بَلُوغت کہتے ہیں۔ بضمِّ اوّل کوئی نہیں بولتا بلکہ بعض تو بَلُوغ [بروا و مجہول] کہتے سُنے جاتے ہیں۔

"پایۂ تخت۔ ف..... فارسی (پایۂ تخت) کہنا درست نہیں کیوں کہ اُدبا نے استعمال نہیں کیا۔ البتہ پایۂ سریر آیا ہے۔"

پائے تخت اور پایۂ تخت کی بحث پیچھے گزر چکی ہے۔ ضمیمے میں مکرر

درج ہُوا ہے ۔ ہم نے پایۂ سَریر کی وجہ سے دوبارہ ذکر کر دیا ہے۔ سریر بھی تخت ہے ۔ فرق صِرف یہ ہے کہ سریر عربی ہے اور تخت فارسی ۔ جب سریر کا پایہ ہو سکتا ہے تو تخت کا کیوں نہیں ۔ اگر سبب محض یہ ہے کہ اُدبا نے پایۂ تخت اِستعمال نہیں کیا تو یہ تو کوئی دلیل نہ ہوئی ۔ بلامُبالغہ ہزاروں الفاظ وتراکیب ہوں گے جو اُدبا نے اِستعمال نہ کیے ہوں گے ۔ کیا اُن سب کو زبان سے خارج کر دیا جائے گا۔

"پائے خانہ ۔ ف ...."

اُردو میں اب عمُوماً پاخانہ مُستعمل ہے ۔

"تبادُلہ ۔ عربی میں تبادُل (بوزن تجاہُل) [وُزن عربی اور ب فارسی حرفِ جار بمعنی میں ۔ کیا عربی لفظ پر فارسی حرفِ جار چپاں کرنا دُرُست ہے ؟ مگر کیا کریں اِضطرار یعنی مجبوری میں سب جائز ہے۔] باہم بدل کرنے کو کہتے ہیں ۔ اردو میں تا بڑھا کر تبادُلہ کر لیا گیا جیسے تعلق سے تعلُّقہ ۔ عربی میں تاے وحدت عموماً زیادہ کی جاتی ہے [!]

اُردو میں تبادُلہ بسکونِ دال اور تبادَلہ بفتح دال بولتے ہیں بالضم نہیں ۔

"تُبّت ۔ ع ۔ ہندوستان کے شمال کو ایک مُلک ۔ صاحب غیاث نے اِس کو تبت بروزن عِلّت و شِدّت لکھا ہے جو غلط ہے ۔ دراصل تبت انگریزی لہجہ ہے جو عربی ثُبّت کا بگڑا ہوا ہے جیسے ابیسنیا حبشہ سے ۔"

نئی اِطلاع ہے ۔ اس کے لیے اوّل تو یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ تبت کو یہ نام عربوں نے دیا ۔ دُوسرے اگر یہ اِطلاع بالفرض درست بھی ہو تو اب لوگ صدیوں سے رائج ایک نام کو چھوڑ کر عربی بولنے سے رہے ۔

"تپاک ۔ گرم جوشی اور فرط ارتباط کے معنی میں اردو ہے ۔ فارسی میں اس کے معنی بے قراری واضطراب کے ہیں ۔"

اگر یہ معنی اُردو ہیں تو یہ نہ صِرف معنوی تبدیلی ہے بلکہ اس طرح یہ لفظ اُردو ہوا ۔ پھر تو آپ کے مذہب کے مُطابق غالب کا یہ مصرع غلط ہوا نا !

ع دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دُنیا جل گیا۔

"ترکیب۔ ع۔ مونث۔ مرکب کرنا۔ ایک چیز کو ایک پر رکھنا..... اردو میں ڈھب۔ طور۔ ڈھنگ۔ ڈول۔ تدبیر....."

گویا معنوی تبدیلی ہے۔ آپ کے مذہب کے مطابق پرچۂ ترکیب استعمال تو غلط ہوا نا!۔

"تعمیل۔ سے عربی میں معنے حاصل بنانا۔ گورنر مقرر کرنا۔ اردو والے عمل میں لانا۔ انجام دینا۔ اجرا کرنا۔ انجام کو پہنچانا وغیرہ کے معانی میں کہتے ہیں۔"

پھر تو تعمیلِ ارشاد اور تعمیلِ حکم ناجائز تراکیب ہیں؟

"تقریب۔ ع۔ مونث۔ نزدیک کرنا۔ قربان کرنا..... اردو میں ذریعہ، باعث، سبب....."

اس لیے بہ ترکیبِ اضافی اس کا استعمال بھی ناجائز ہوا؟

"جادّہ۔ ع۔ شاہ راہ..... بڑا راستہ۔ جادّہ (مادّہ کی طرح) بہ تشدید دال ہے کیوں کہ (جدد) سے مشتق ہے۔ فارسی و اردو میں اکثر بہ تخفیف دال مستعمل ہے اور پگڈنڈی یا بٹیا کو کہتے ہیں۔

گویا یہ معنوی اور صوتی ہر دو طرح کی تبدیلی ہوئی۔ کوئی اعتراض نہ کرنے کا سبب؟ چلن کا اعتراف!

"جلوس۔ ع....."

اُردو میں بالعموم جلوس بولا جاتا ہے۔

"جواہر۔ ع۔ جوہر کی جمع چار حرفی جمع کے اوزان مثلاً فعالِل، فعائل [؟] کا ماقبل آخر ہمیشہ مکسور ہوتا ہے..... البتہ جواہر کو اردو میں بطور واحد کہتے ہیں۔"

جب جمع کو واحد تسلیم کر ہی لیا ہے تو جواہر کو بھی تسلیم کر لیجیے ورنہ پنڈت جواہر لال نہرو کا نام غلط ہو جائے گا۔ ویسے سودا کے شعر کی جو سند پیش کی گئی ہے اُس میں بھی جواہر ہی بندھا ہے۔ کر کے قافیے میں۔

"حَسین - لغات و کتبِ عربیہ میں حسین کا لفظ نہیں پایا گیا - صرف صاحبِ منتخب نے "حسین بالفتح و کسرِ سین خوب و صاحبِ حُسن" لکھا ہے - لہٰذا خوبصورت - جمیل حسن والا کے معنوں میں مہنّد ہے - عربی میں حسین کی جگہ حَسَن (خوب صورت - نیک) کہتے جو حُسن کی صفتِ مُشبّہ ہے -"

اَب کیا حُکم ہے - کیا اُردُو سے حسِین، حسِینان اور حسِینوں کو خارج کر دیا جائے؟ ظاہر ہے کہ جب یہ مُہنّد ہے تو اس پر عربی فارسی کے قواعد کا اطلاق بھی ناجائز ہے "محرمِ آبِ رواں" کی طرح اِس پر بھی عطف و اضافت کا اطلاق ناجائز ہُوا، اور جمع حسِینوں اور حسِینان تو غلط در غلط کر ایک اُردُو کے قاعدے سے "وں" لگا کر بنائی گئی ہے اور دُوسری فارسی "ان" لگا کر - اِس کے اِخراج سے ایک بہت بڑا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اُردو والے فِسق و فجُور سے محفوظ رہیں گے - ظاہر ہے کہ نہ غزلیہ شاعری رہے گی [کہ اِس میں سوائے حسِینوں کے رکھا ہی کیا ہے!] نہ حسِینوں کا ذکر ہوگا - نہ رہے گا بانس نہ بجے کی بانسری -

"حُکومت - ع - تحکم کا اسم ہے - فرماں روائی - قلم رو - دائرۂ اقتدار - اربابِ سیاست - فی زمانہ سلطنت دولت کے معنی میں بھی مُستعمل ہے ......"

"اِس زمانے میں سلطنت کے معنی میں بھی مُستعمل ہے" کا مطلب یہ ہوا کہ خود عربی میں یہ معنوی توسیع و تبدیلی کی مثال ہے - [اگر عربی میں تبدیلی پر کوئی اعتراض نہیں تو اُردُو میں بھی نہیں ہونا چاہیے!] خیر یہ تو جملۂ معترضہ تھا - ہمیں تو اُردُو میں اِس کے تلفظ پر یہ کہنا ہے کہ اُردو میں حکومت سے زیادہ حُکُومت، بہ فتحِ اوّل، کا سکّہ چلتا ہے -

"خدیجہ - ع - (بفتحِ خا و کسرِ دال) بروزن صحیفہ و سفینہ - آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سب سے پہلی زوجہ مطہرہ تھیں ......"

اُردُو میں عام طور سے خدیجہ ہی بولا جاتا ہے - اِدھر کچھ مُدّت سے کچھ مولاناؤں

کے مُنہ سے خُدیجہ سُننے میں آنے لگا ہے۔ کون دُرست ہے؟ واللہ اعلم۔

"خصی ب۔ ع۔ (کتنی) [؟] خصیے نکالا ہوا جانور۔ آختہ۔ بدھیا۔ اُردو میں بہ تشدیدِ صاد خصّی کہتے ہیں۔"

اُردو میں تو خیر مُشدّد الآخر حروف نہیں چلتے۔ یہاں اِس کا ذکر محض آختہ کی وجہ سے کر دیا گیا۔ مَتنِ کتاب میں اِس معنی میں اَختہ کو صحیح بتایا گیا ہے۔ ضمیمے میں آختہ، نکالا ہوا کے معنی میں لکھا ہے۔ بدھیا کے معنی میں نہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ اُس معنی میں اَختہ ہی صحیح ہے۔ یہاں خُود آختہ [بہ الفِ ممدُودہ] لکھا ہے۔ کیا اِسے کتابت کی غلطی سمجھا جائے یا چلن کا اعتراف؟ بہرحال اُردو میں آختہ ہی کہتے ہیں۔

"خضر..... لفظ خضر کے اعراب میں شدید اختلاف ہے۔ کوئی خِضر بہ کسرِ اول وفتحِ دوم، کوئی فتحِ اول وکسرِ ثانی، کوئی کچھ کوئی کچھ لکھتا ہے لیکن صحیح خَضِر بہ فتحِ اوّل وکسرِ ثانی فَرِح اور خِضر بالکسر بروزن فکر ہے۔ صاحب صحاح نے اس کو افصح لکھا ہے۔"

اب افصح [قولِ صاحب صحاح] کو، مانیں یا آپ کے صحیح تلفّظ خَضِر کو، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ہمیں تو یہ عرض کرنا ہے کہ اُردو میں بہ فتحِ اوّل وکسرِ ثانی دیکھنے سُننے میں نہیں آیا۔ بکسرِ اول وسکونِ ثانی خِضر اور خِضَر [بکسرِ اوّل و فتحِ ثانی] البتہ دونوں مُستعمل ہیں۔ بہ کسرِ اوّل وسکونِ ثانی کی سند خُود آپ نے غالب کے شعر سے بہم پہنچا دی ہے۔ فتحِ ثانی کی مثال ذوق کا یہ مصرع ہے:

بہتر ہے مُلاقاتِ مسیحا و خضر سے۔

"خُنک۔ ف۔ بضمتین۔ سرد، بضم اول وفتح ثانی کہنا غلط ہے۔"

اُردو میں خُنُک [بضمتین] کم تر اور خُنَک بیشتر سُننے میں آتا ہے۔

"دستخط..... اس کا مختلف طور سے استعمال ہوتا ہے۔ واحد مونث (محضر پر زید کی دستخط ہو گئی) جمع مونث (محضر پر کئی اشخاص کی دستخطیں ہو گئیں) جمع مذکر (محضر پر زید کے دستخط ہو گئے لیکن اصولاً واحد مذکر صحیح ہے مثلاً میں نے اپنا دستخط کر دیا۔"

واحد مونث ہم نے سُنا نہیں اور واحدِ مذکر جسے اصولاً صحیح بتایا گیا ہے، اِس لیے غلط ہے کہ اس کا چلن نہیں۔ اَب تو سب انگریزی کے اثر سے بالاتفاق جمع مذکر بولتے ہیں یعنی میں نے اپنے دستخط کر دیے۔

"دل نشیں۔ نشیں بہ فتح نون کہنا غلط ہے۔ اس لیے کہ نشستن بکسرِ نون ہے۔ اسی طرح خانہ نشیں، خاک نشیں۔ ذہن نشیں۔ وغیرہ بکسرِ نون ہیں۔"

اُردو میں نشیں بہ فتحِ اوّل ہی مستعمل ہے۔ نِشستن کو بھی ہم نے نَشستن سنا ہے گویا اعراب باہم مبدل ہو گئے ہیں۔

"زُمُرُّد۔ ف۔ بہ ضم زا و میم و رائے مشدد۔ عربی۔ عربی میں زُمُرُّد و ذُمُرُّد بہ ذال معجمہ۔ سبز یاقوت ....."

اُردو میں زُمُرُّد [بفتحِ اوّل وضمِ ثانی وثالث] اور زَمُرَّد [بہ فتحِ اوّل وثالث وبضمِ ثانی] مشہور ہے۔ بہ بضمتین اب کوئی نہیں بولتا۔

"زَندہ رُود۔ جس کو زایندہ رود بھی کہتے ہیں۔ اصفہان کی ایک مشہور اور شیریں ندی کا نام۔ یہاں زَندہ بالفتح بمعنی بزرگ ہے۔"

اُردو میں اِسے زِندہ رُود کہتے ہیں۔ اقبال نے یہی لکھا ہے اور اس کا انگریزی ترجمہ LIVING STREEM کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اہلِ اُردو اِس مشہور اور شیریں ندی کے نام سے واقف نہیں۔

"سِجدہ۔ ع۔ بالکسر۔ زمین پر سر رکھنا..... سجدہ بالفتح قرآن شریف کی ایک سُورت کا نام ہے۔"

اَغلباً سورۂ سَجدہ ہی کے طُفیل اُردو میں سَجدہ مشہور ہو گیا ہے۔ سِجدہ بالکسر بھی کبھی کبھی سُننے میں آجاتا ہے۔

"سِن۔ ع۔ عمر....."

ہر جگہ بہ تشدید نون ہی لکھا ہے لیکن دی گئی دونوں مثالوں میں نون بہ تخفیف ہے۔ اُردو میں سِن [نون غیر مشدد] ہی رائج ہے البتہ مرکب معطوفہ و اضافی میں نون مشدد ہو جاتا ہے۔

"شراب ۔ ع ۔ وہ چیز جو کھانے اور پینے کے قابل ہو۔ آشامیدنی وخوردنی ۔ فارسی میں مَے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں ۔ اہلِ اردو نے فارسی والوں کا اِتباع کیا ۔"

اگر یہاں فارسی والوں کے اِتباع پر کوئی اعتراض نہیں تو بلوغت کا اِتباع کیوں ناجائز ہے ؟ ۔

"شراکت ۔ شرکت سے بنالیا ہے ۔ صحیح لفظ شرکت ہے ۔"

مَتنِ کتاب میں خُود کمپنی وغیرہ کے معنی میں درج کر چکے ہیں ضمیمے تک پہنچتے پہنچتے غلط ہوگیا ؟ حق یہ ہے کہ اُردو میں شرکت وشراکت کے معنی میں ایک خفیف سا فرق ہے ۔ شراکت میں حصّے داری کے معنی کا شائبہ بھی ہے ۔ نیز ہم شراکت کو شَراکت بھی بولتے ہیں ۔

"شِطرنج ۔ بہ کسرِ شین معجمہ وسکونِ طائے مہملہ وفتحِ را وسکونِ نون ۔ تذکرۂ دولت شاہی میں جس کو پروفیسر براؤن نے خاص طور سے خود تصحیح کر کے چھپوایا ہے اس میں سیدنا علیؓ کے اشعار درج ہیں اور شطرنج کے شین پر فتح ہے .... دائرۃ المعارف اسلامیہ میں شَطرنج بالفتح لکھا ہے جو غلَط ہے ۔"

جس قطعیت سے شین بالفتح کو غلط کہا گیا ہے بے تامُّل اس قسم کی بات کہنا بجائے خُود غلط ہے ۔ شَطرُنج کا ماخذ سدرنگ ا صدرنگ ہو، چترانگ ہو یا شت رنگ ، سب بہ فتحِ اوّل ہیں ۔ آخر کسرہ کہاں سے آگیا ؟ خیر ہمیں اس کی ہیئت وساخت سے غرض نہیں ۔ ہمیں تو صرف یہ کہنا ہے کہ شِطرنج کوئی جاہل ہی بولے گا ۔ آج تک کسی کتاب میں دیکھا نہ کسی کے منہ سے سُنا ۔ بالاتفاق بہ فتحِ ش شَطرُنج ہی بولا جاتا ہے ۔

"طِبابت ....."

اُردو میں طبَابت بیشتر اور طِبابت شاذ سُننے میں آتا ہے ۔

"طولانی ۔ دراز ۔ لمبا ۔ طویل ۔ عربی میں نور سے نورانی ، روح سے روحانی ۔ وغیرہ نسبت آئی ہے ۔ بل کہ فوق سے فوقانی ۔ تحت سے تحتانی اور وسط سے وسطانی مصر وشام میں

برابر مستعمل ہے۔ لیکن طول سے طولی (ضدِ عرض) آیا ہے۔ البتہ فارسی میں طولانی آیا ہے۔"

اگر فارسی میں طولانی آیا ہے تو آپ کے مذہب کے مطابق اُردو والوں نے فارسی والوں کا اتباع کیا۔ ہے تو چھوٹا منہ بڑی بات، لیکن جب زبانِ قلم پر آہی گئی ہے تو کیوں روکی جاتے۔ مذکورہ بالا مثالوں میں بیشتر قاعدے سے غلط ہیں۔ نور پر جب یائے نسبت بڑھائیں گے تو اُسے نوری ہونا چاہیے اسی طرح روح سے روحی، فوق سے فوقی، تحت سے تحتی، وسط سے وسطی بنے گا۔ جیسے آپ نے طول سے طولی دیا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ ان سب لفظوں میں "ان" زائد کہاں سے در آیا۔ اس کی تحقیق ہم عربی دانوں پر چھوڑتے ہیں اور یہ عرض کرتے ہیں کہ اُردو میں ان سب لفظوں کی دونوں صورتیں ملتی ہیں مثلاً ہمارے ہاں نوری بھی نورانی بھی، روحی [شبک روحی میں] بھی ہے روحانی بھی۔ فوقی بھی ہے [سودا نے ایک ہجو میں قائم کا نام میاں فوقی سے بدل دیا ہے] تحتی بھی ہے [ماتحتی میں] تحتانی بھی ورطولی بھی ہے [یدِ طولیٰ میں] طولانی بھی۔ معنی میں بھی اک ذرا فرق ہے۔ لہٰذا چوں کہ یہ سب اُردو میں مستعمل ہیں، اس لیے اُردو کے لفظ ہیں اور دُرست ہیں خواہ ان پر کسی قواعد کا اطلاق ہو یا نہ۔

"عدن۔ بہ سکونِ دال۔ اقامت کرنا..... جنّاتِ عدن باغ ہائے بہشت۔ تعجب ہے مرزا سودا اور قاآنی نے..... بالتحریک عدَن لکھ دیا ہے جو جائز نہیں۔"

سو فی صد جائز ہے اس لیے کہ مروّج ہے۔ اس کا سبب محض یہ ہے کہ عدَن [یمن کا ایک شہر] کے التباس پر لوگ عدن کو عدَن کہنے لگے۔ اس قسم کے التباس کی مثالیں دیگر زبانوں میں اور خود اردو زبان میں ناپید نہیں۔

"عقیم۔ ع۔ وہ مرد یا عورت جس کے بچہ نہ ہوتا ہو۔ بانجھ۔ مرد عورت دونوں کے لیے (عقیم ہی) ہے۔ لہٰذا عقیمہ عورت کے لیے کہنا غلطی ہے۔"

ایسے اور لفظ بھی ہیں۔ مثلاً شراب آپ نے خوردنی اور نوشیدنی دونوں لکھا لیکن مستعمل صرف نوشیدنی ہے ۔

جناب مرد اور عورت دونوں کو محیط ہے لیکن اُردو کا مزاج عورت کے لیے تخصیص چاہتا ہے، لہٰذا جنابہ تراش لیا گیا۔ ویسے بھی مردوں کو اُردو میں بانجھ نہیں کہہ سکتے، جس طرح عورت کو نامرد نہیں کہہ سکتے۔ لہٰذا اُردو والوں کو عقیم کی جنس مشکوک نظر آئی لہٰذا اُنھوں نے ایک موزوں لفظ تراش لیا۔ اور یہ کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ورنہ یہ مَردِ عقیم ہے کے معنی یہ مرد بانجھ ہے کرنے پڑتے۔ جو خود اپنی زبان کے مُطابق نادُرست ہوتا۔

"علالت۔ بیماری کے معنی میں اُردو والوں نے بنا لیا ہے لہٰذا یہ ترکیبِ فارسی علالتِ مزاج غلط ہے۔"

ایسے الفاظ پیچھے بھی گزر چکے ہیں۔ نزاکت پر خود آپ نے کوئی اعتراض نہیں کیا جو اِسی قبیل سے ہے۔ پھر علالت پر اعتراض کیوں؟ اصول کو جامع و مانع ہونا چاہئیے۔

"عمرو۔ ع۔ بالفتح و سکونِ میم بر وزن نصر . . . عُمر سے امتیاز اور رفع التباس کے لیے عمرو میں ایک واو بڑھا دیتے ہیں۔ بعض نے متحرک الاوسط لکھا ہے جو غلط ہے کیونکہ عرب میں جس قدر نام ہیں سب کے سب ساکن الاوسط ہیں [کیا خود عرب نام نہیں؟ علیٰ کیا ساکن الاوسط ہے؟ رضا کیا ناموں میں شمار نہیں ہوتا؟] غالب اور انشاء نے متحرک الاوسط باندھ دیا ہے۔" انشا اور غالب نے متحرک الاوسط باندھا تو یہ چلن تھا۔ حد تو یہ ہے کہ نہ نام میں واو بڑھانے سے التباس دُور ہوا اور نہ عمرو ہی

ایسوسی ایشن کی طرف سے بھی جس نے "سے می نار" منعقد کیا تھا۔ فی الوقت وہ مقالہ پیشِ نظر نہیں ورنہ یہاں اُس کے کچھ حصّے نقل کرنا یقیناً مفید ہوتا۔ خیر تو ہم عرض کر رہے تھے کہ یہ تالیف نہ کسی کو زبان دان بنائے گی اور نہ فصیح و بلیغ، نہ انشا پرداز نہ شاعر۔ یہ محض ایک آئینہ ہے جس میں اُنھیں اپنی زبان کی موجودہ صورتِ حال کا عکس دکھائی دے گا۔

اُردو میں نسبتاً زبان دان و اہلِ زبان، فصیح و غیر فصیح کا چرچا کچھ زیادہ ہی ہے۔ عہدِ سلف میں فصاحت کا تصوّر محض مقامی تھا۔ مثلاً مصحفی کا قول ہے:

بعضوں کا گماں یہ ہے کہ ہم اہلِ زباں ہیں ؎ دلّی نہیں دیکھی ہے زباں داں یہ کہاں ہیں

انشا نے دریائے لطافت میں دلّی کے مختلف محلّوں کی زبان کا جائزہ لے کر فصحا و غیر فصحا کے محلّوں کا تعیّن بھی کیا۔ فصحا کی تعریف و توضیح بھی کی اور اہلِ زبان ہونے کی شرطیں بھی بیان کیں۔ لوگ دہلوی ہونے اور کہلانے میں فخر محسوس کرتے تھے (یہاں تک کہ خالص لکھنوی اساتذہ بھی جن کے آبا و اجداد دلّی سے لکھنو منتقل ہوئے تھے) مثلاً میر انیس کا یہ فقرہ مشہور ہے: "صاحبو! یہ میرے گھر کی زبان ہے" یعنی دِلّی کی، لکھنؤ والے اِس طرح نہیں بولتے۔ اِس کا ردِّ عمل ہونا فطری تھا۔ چناں چہ نعرہ لگایا گیا ع دعویٰ زبان کا لکھنؤ والوں کے سامنے! انشا نے اگرچہ "دریائے لطافت" میں لکھنؤ والوں کی بھی وکالت کی ہے لیکن وہ مجبوری معلوم ہوتی ہے۔ وہ سعادت علی خاں کے نوکر تھے۔ "دریائے لطافت" نہ صرف سعادت علی خاں کی فرمائش پر ہی لکھی گئی تھی بلکہ انشا کو یک گونہ حق نمک بھی ادا کرنا تھا۔ چناں چہ لکھنؤ میں سب سے بڑے اہلِ زبان نوّاب سعادت علی خاں ٹھہرے۔ دلّی کے محض چند محلّے فصحا کے محلے تھے۔ تو لکھنؤ کا ہر محلّہ فصیحوں کا محلّہ تھا۔ اس کے باوجود انشا عجیب کش مکش میں مبتلا اور گومگو میں گرفتار رہیں۔ طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں اور آخر کار لکھنؤ کو جسم اور دلّی کو جان قرار دیتے ہیں۔ لیکن اِس سے نتیجہ اُن کے منشا کے برعکس ہی نکلتا ہے۔ بہرحال کہنے کا مطلب صرف اتنا ہے کہ عہدِ قدیم میں اہلِ زبان اور فصیح ہونا محض

اپنی اصل پر قائم رہ سکا۔ اُردو میں تو سب اسے عُمر عیار کہتے ہیں۔ عَمر [عَ بالفتح] کوئی نہیں کہتا۔ یہاں تک کہ حضرت عُمر فاروق کو بھی سب حضرت عُمر ہی کہتے ہیں۔ اس میں عربی قواعد ہی مانع آسکی اور نہ ادب و تہذیب۔ ہم نے کہا تھا ناکہ چلن بڑا جابر ہوتا ہے۔ اور عدن اور عدن کے التباس کا ذکر کیا تھا۔ اب عُمر اور عمرو کو بھی اسی ذیل میں رکھیے کہ ہندو پاک میں سب حضرت عُمر کہتے تھے اور کہتے ہیں اور اسی کے التباس پر عمرو عیار بھی عُمر ہو گیا ہے۔

"غریب ۔ ع۔ نادر ۔ مسافر ۔ بیگانہ ۔ فارسی اُردو میں نادار مفلس [فارسی میں بمعنی نادار ہماری نظر سے نہیں گزرا۔] البتہ معین الغربار کے معنی ہوں گے مسافروں کی اعانت کرنے نہ کہ مفلسوں کی مدد کرنے والا۔"

اُردو میں غریب و غُربت ہر دو معنی میں مستعمل ہیں مثلاً عجیب و غریب، ع "غُربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں"، ع "ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے"۔ وغیرہ ۔ اور غریب نواز، غریب پرور وغیرہ ۔ اب کوئی غریب نواز اور غریب پرور کی تراکیب کو غلط کہے لیکن اُردو میں مستعمل ہیں۔

"غَلَطُ العام ۔ بالتحریک ۔ ع ۔ وہ غلطی جس کو تمام علماء، فضلاء اور اہل زبان استعمال کیا ہو [غلطی آپ کے مذہب کے مطابق غلط ہے ۔ لیکن آپ کو مجبوراً استعمال کرنا پڑا ۔ کیا اب بھی چلن کے جبر کا یقین آیا یا نہیں! آپ اسے غَلَطُ العام کہہ لیجئے۔] اور یہ جائز ہے جیسے کافر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

اوّل تو کافر ذوق، غالب اور مومن کے ہاں بالفتح بندھا اور اُن کو تمام علماء فضلاء اور اہل زبان کہنا مشکوک ہے، لطف یہ ہے کہ ان بزرگوں کی سند کے باوجود شعرا اب تک کافر بالفتح باندھتے جھجکتے ہیں۔ پھر اگر غَلَطُ العام فصیح ہے تو جنھیں آپ "جہلہ" کہہ کر رد کر دیتے ہیں اُن میں فصحا اور غیر فصحا کا فیصلہ کس بنیاد پر کیا جاتا ہے؟ اور دُنیا بھر کے

اعتراضات کا کیا جواز ہے؟ یہ تو کوئی اُصول نہیں کہ ایک جگہ غالبؔ کی سند پر غلطی کو جائز قرار دے دیا جائے اور دوسری جگہ غالبؔ کی سند کے باوجود لفظ قابلِ قبول نہ ہو۔ کافر اور زنّار اور عُمر کی بحث پیچھے گزر چکی ہے۔ حق یہ ہے کہ غلط کی سند بھی غلط ہوتی ہے تاوقتے کہ وہ چلن میں نہ آجائے۔ اُس میں فصیح و غیر فصیح کی تخصیص نہیں ہوتی۔ فیصلہ اکثریت و اقلیت کی بُنیاد پر کیا جاتا ہے صرف ایک شرط ہے کہ غلطی اُس زبان کے بولنے والوں ہی میں رائج ہو نہ کہ غیر زبان والوں میں عدم واقفیت کی بُنیاد پر۔

"غلیظ - ع - (نقیض) .... گاڑھا سخت - درشت - غلظۃ (بروزن حلکت - کذا) غلاظۃ بروزن تجارت سے صفت مشبّہ ہے۔" اُردو میں غلیظ و غلاظت عام طور سے گندہ اور گندگی کے معنی میں مستعمل ہے۔ اصل معنی میں اب شاذ ہی استعمال ہوتا ہے۔

"فطرتی - ا - عربی میں فطرت - طبیعت - جبلّت ... سے نسبت فطری (طبعی، جبلّی، خلقی) ہے۔ فطرتی غلط ہے" (توتے کو کوئی بھی زبان رٹائی جاسکتی ہے لیکن سکھائی نہیں جاسکتی یعنی وہ زبان دان ہو سکتا ہے نہ عالمِ زبان اُسے جو کچھ رٹا دیا گیا ہے زندگی بھر اُسی کو بخوبی دہراتا رہیگا لیکن اگر آپ اُس سے پوچھیں کہ یہ کیا یا کیوں ہے؟ تو اُس کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ اگر وہ جواب دے سکے تو معلوم ہے کیا کہے گا؟ ع: ہر چہ اُستادِ ازل گفت ہماں می گویم۔ انسانوں میں بھی توتوں ہی کی تعداد زیادہ ہے۔ جو کچھ اُنھیں پڑھا دیا گیا ہے۔ اُن کی بَلا جانے کتابوں میں غلط آیا ہے یا درست۔ اُن کی آنکھیں نہ لکیر سے ہٹتی ہیں نہ وہ اُس سے پرے دیکھ سکتے ہیں۔ اب اُنھیں کون بتائے اور کیسے سمجھائے کہ حضرت! جو کچھ آپ فرما رہے ہیں وہ آپ کے پڑھے پڑھائے بلکہ رٹے رٹائے قواعد کے بھی خلاف ہے۔ وہ مان کے ہی نہیں دیں گے۔ ہم پیچھے کہیں لکھ آئے ہیں کہ زبانوں کا ارتقا اگرچہ بہت باقاعدہ ہوتا ہے پھر بھی اُن میں بے

قاعدگیاں بھی بہت پائی جاتی ہیں۔ جن کی تاویل و تعبیر ممکن نہیں ہوتی۔ مثلاً نسبت کے بے لفظ کے آخر میں ی بڑھائی جاتی ہے، یہ قاعدہ ہے لہٰذا روایت سے روایتی، ثقافت سے ثقافتی، عدالت سے عدالتی، دعوت سے دعوتی۔ ہم نے یہاں عمداً وہ الفاظ درج کیے ہیں جو ت پر ختم ہوتے ہیں۔ تو فطرت سے فطرتی، طبیعت سے طبیعتی، جبلّت سے جبلّتی کیوں نہیں بنتا؟ خیر یہ سب بہ طورِ جملۂ معترضہ سمجھیے، اور آگے بڑھیے]۔ فطرتی غلط ہے۔ البتہ اُردو میں فطرت کو عیاری، فتنہ انگیزی۔ مکر فریب۔ سازش وغیرہ اور فطرتی کو شوخ۔ عیار۔ چالاک۔ مُتفنّی۔ فتنہ پرداز۔ مکّار۔ دغاباز کے معنی میں کہتے ہیں مگر فصاحت کے خلاف ہے۔"

اُردو میں فطرت کے معنی طبیعت، جبلّت وغیرہ ہی آتے ہیں [ہم نے آج تک کہیں نہیں پڑھا: اُس نے میرے خلافِ فطرت کی، یعنی سازش کی یا فریب کیا اور مکر کیا] البتہ فطرتی فتنہ پرداز، مُتفنّی وغیرہ معنی میں آتا ہے۔ اور ان معنی میں یہ خالص اُردو کا لفظ ہے۔ اِس میں بھلا خلافِ فصاحت کیا ہے؟

"قبر۔ ع۔ گور۔ تربت۔ محکم نے (قبر) غلط لکھا ہے۔"

یقیناً غلط لکھا ہے۔ لکھنے میں اُردو والے بہت محتاط ہیں۔ ہمیشہ قبر لکھتے ہیں [ہمارا مطلب ہے شعر میں باندھتے ہیں] لیکن بولتے تو ہم نے بیشتر کو قبر ہی سُنا ہے۔ دیکھیے لکھنے والے کب خوف سے نجات پاتے ہیں۔

"قپچاق ..... فصیح قپچاق ....."

ہم نے تو قپچاق پڑھا اور سُنا ہے۔

"قُرشی (ملاحظہ ہو قُرَیشی) فارسی اُردو والوں قُریشی استعمال کیا ہے لیکن صحیح قرشی ہے۔"

منسوب بہ قریش کے معنی میں ہند و پاک میں بیشمار لوگ قریشی کہلاتے ہیں حیرت ہے قاموس الاغلاط کی اشاعت کے بعد بھی لوگ اپنے نام کیساتھ قریشی ہی لکھنا پسند کرتے ہیں۔ آخر کچھ لوگوں نے تو یہ کتاب پڑھی ہوگی، انھیں اپنی جہالت پر افسوس نہیں ہوتا!

"کسر۔ بفتحتین۔ کمی اور نقصان کے معنوں میں اُردو والے کہتے ہیں۔ ور نہ صحیح لغت کسر بفتح اوّل و سکون ثانی ہے۔ بمعنی شکستن (توڑنا) کسرت۔ ا۔ ورزش۔ ریاضت ... کے معانی میں اُردو ہے۔"

چلیے! مولفین نے اردو کے دو الفاظ کا اعتراف تو کیا۔ ان میں صوتی و معنوی تبدیلی کے علاوہ پہلے سے موجود الفاظ کے قیاس پر نئے الفاظ گڑھنے کا ثبوت بھی ہے۔

"لاچار۔ ناگزیر۔ مجبور۔ بے بس۔ عاجز۔۔۔۔ چوں کہ چار فارسی لفظ ہے اس لیے عربی لائے نافیہ کے ساتھ اس کی ترکیب ناجائز ہے لیکن اردو شعرا کے کلام میں برابر پایا جاتا ہے اس لیے ہم نے اس کو مہند قرار دیا ہے۔"

اس کے لیے شکریہ۔ اگر اسی طرح کے بقیہ الفاظ کو بھی آپ مہند قرار دے دیتے تو یہ کتاب لکھنے کی مشقت ہی نہ اٹھانی پڑتی۔

"لازم۔ ع۔ لزوم سے اسم فاعل ہے۔ چسپاں لگا ہوا۔ ضروری۔ قدیمی کی طرح لازمی کہنا غلط ہے کیوں کہ لازم میں یائے صفتی [صفتی یا صفت؟] کی ضرورت نہیں۔"

قدیمی کے بغیر ہمارا کام چلتا ہے لازمی کے بغیر نہیں چلتا۔ اگر ضرور ہو سکتا ہے تو لازمی کیوں نہیں ہو سکتا؟ کوئی اس میں ی صفت کی بتاتا ہے [ہم نے تو بعض لغات میں لازم کو بھی عربی صفت لکھا دیکھا ہے۔] کوئی نسبت کی۔ مگر ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ بات میں زور اور شدت پیدا کرنے کے لیے لگائی جاتی ہے۔" یہ بات لازمی ہے" کہے بغیر ہمارا مطلب پوری طرح ادا نہیں ہو پاتا۔

"مابین۔ ع۔ درمیان۔ بیچ۔ لغوی معنے (جو بیچ میں ہیں۔

اب اگر مابین پر اعتراض نہیں ہے تو مابعد پر کیوں؟

"مُستَغرِق۔ ع۔ بہ کسر رائے مہملہ۔۔۔۔۔۔"

یہ مستغرق بہ فتح را سننے میں آتا ہے۔

"مُسلمان۔ ف۔ مسلمان دراصل مُسلمان (مسلم کی جمع) ہے مذہب اسلام کا معتقد۔"

ممکن ہے یہ مُسلِم + ان [مُسلِم کی جمع] ہو لیکن آپ کے مذہب کے مطابق نہ تو عربی پر فارسی کا پیوند لگ ہی نہیں سکتا کہ ناجائز ہے۔ یہاں آپ نے اپنا مطلب حل ہوتا دیکھ کر ایک غلط توجیہہ کو شرف قبول بخشا۔ مُسلِم چوں کہ عربی ہے اس لیے اس کی جمع مُسلِمین آتی ہے۔ اگر مُسلمان جمع

ہے تو پھر ع

اے مُسلماناں فغاں از دورِ چرخِ چنبری میں یہ مُسلماناں کیا ہے ؟ بہرحال بولتے سب مسلمان ہیں لہٰذا آپ اِسے مُسلِم کا مُفرس قرار دیجیے۔

”مُشَیَّن۔ ا۔ شان سے اُردو والوں نے بنالیا ہے۔ باشوکت۔ خوبصورت۔ شکیل۔ وجیہہ۔“

ہمیں آپ سے اتفاق ہے کہ اُردو والوں نے بنالیا ہے۔ ہم تو بس آپ کی توجہ معنی میں دیے گئے لفظ شکیل کی طرف مُنعطِف کرانا چاہتے ہیں۔ متنِ کتاب میں آپ شکیل کے باب میں اِسے گڑھا ہوا اور قابلِ ترک قرار دے چکے ہیں۔ یہاں خُود اُسی کے اِستعمال کو رَوا رکھتے ہیں۔ اسی کو کہتے ہیں: جادُو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔ اَب بھی چلَن کے جَبر کا یقین آیا یا خیر!

”مُعاف۔ اصل میں باب مفاعلہ سے اِسم مفعول (معافیٰ) ہے۔ اِس کا مصدر معافات ہے جس طرح منادات سے (منادیٰ) اسم مفعول اردو والوں نے (معاف) بنالیا۔“

تو اَب حکم کیا ہوا؟ اِسے معافیٰ لکھا اور بولا جائے۔ اگر مُعاف آپ کی نظر میں غَلَط نہیں ہے تو درج نہیں کرنا تھا۔ اور اگر غَلَط ہے تو واضح لفظوں میں اِس کا اظہار کرنا چاہیے تھا۔ اگر محض اپنی عَرَبی دانی کی اِطلاع دینا مقصود تھا تو پھر یہ بھی لکھ دینا تھا کہ منادات سے مُنادیٰ اسم مفعول اور منادی اسم فاعل بمعنی پُکارنے والا، ندا دینے والا لیکن ”جُہلا“، منادی کو اِسم یعنی ندا کے معنی میں اِستعمال کرتے ہیں جو غَلَط محض ہے۔ اِس کی جگہ منادات کہنا چاہیے لیکن چوں کہ عرب میں منادی کی ہی نہیں جاتی اِس لیے ”کُتبِ معتبرۂ معربیہ“ میں یہ لفظ تو ہے لیکن اُردُو فارسی میں استعمال نہیں ہوتا۔ لہٰذا اِس کی جگہ ڈھنڈورا کہنا چاہیے۔ اِسی طرح مُعافی اِسم فاعل ہے۔ بمعنی ”معافیٰ“ کرنے والا، بخش دینے والا۔ ”جُہلا“ محض بخشش کے معنی میں بطورِ اِسم استعمال کرتے ہیں جو ناجائز ہے۔ اِس

معنیٰ میں اِس کا ترک اولیٰ ہے۔ اِس کی جگہ "مغفرت" کا لفظ مفہوم ادا
کر سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

"معنیٰ ۔ع۔ آخر میں الف مقصورہ بہ صورت یا ہے۔ یہ عنی (بالفتح) وعَنَایتہ (بالفتح)
ارادہ کرنا۔ قصد کرنا۔ چاہنا سے مصدر میمی ہے لیکن بمعنی مفعول قصد کردہ شدہ۔ چاہا ہوا۔
مقصود ...... جمع مَعَانی بروزن مَعَالی ..... واضح ہو کہ مَعْنی و مَعْناۃ و مَعْنِیَہ بھی مَعْنٰی کے
مترادف عربی میں مُستعمل ہیں ..... لیکن فارسی اردو میں صرف مَعْنٰی (بروزن مَرْتٰی) مستعمل
ہے ..... اردو میں اِس کا صحیح استعمال بطور واحد مونث ہونا چاہیے۔ جیسے اس لفظ کی
معنی معلوم نہ تھی ..... اور اردو جمع معنیاں آئے گی" [اِس کا فقرہ بھی بنا دینا تھا، جیسے اِن
الفاظ کی معنیاں معلوم نہ تھیں۔] " لیکن مَعنے اور معنی میں اس قدر خلط مبحث ہو گیا ہے۔
کہ اکثر واقف اصحاب بھی معنی کو ناواقفیت سے" [واقف اصحاب کی ناواقفیت ؟]
"جمع مذکر استعمال کرنے لگے ہیں جیسے اس لفظ کے معنی معلوم نہ تھے۔ یہ اصولاً غلط محض
ہے ..... مولفین کی رائے میں معنی کا لفظ دفع التباس کے لیے قابل ترک ہے البتہ ترکیب
فارسی کے ساتھ اس کا استعمال جائز رکھا جا سکتا ہے۔"

یہ عجیب منطق ہے۔ جب اُصولاً غلط اور قابلِ ترک ہے تو ترکیب فارسی کے
ساتھ کیوں جائز رکھا جا سکتا ہے؟ اِس تمام بحث پر تبصرہ کرنا ہی فضول
ہے۔ کیا عجب مشورہ ہے: "اِس لفظ کی معنی معلوم نہ تھی"۔

"مقروض۔ قرض دار۔ مدیون۔ وہ شخص جس نے قرض لیا ہو۔ عربی اور فارسی میں بھی ہماری
نظر سے نہیں گزرا۔ اہل ہند کی گڑھت ہے"۔

پھر؟ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ لُغت بیچ اِس مسئلے کے؟ کیا ترک کر دیں،
یوں بھی مقروض ہونا کون سی اچھی بات ہے؟

" نحوست ۔ع۔ بروزن حکومت (بالضم) ....."

حکومت ہی کی طرح نحوست بھی بالفتح سُننے میں آتا ہے۔

"نسائی۔ ۱۔ زنانہ۔ عورتوں سے متعلق حضراتِ اردو کی گھڑت ہے کیوں کہ مراۃ (عورت) کی

جمع خلاف قیاس نِساء ونسواں ونِسوۃ بہ کسرِ نون اور نُسوۃ بہ ضم نون آئی ہے اور اِن کی نسبت نِسوی بالکسر ونُسوہ بالضم ہے نہ کہ نسائی .....»

یہ دلیل کچھ سمجھ میں نہیں آئی ۔ جب نِساء اور نسواں بھی جمع آئی ہے اور نِسوۃ اور نُسوۃ بھی تو پہلی دو کو نظر انداز کرکے آخری دو کو قبول کرنے کا سبب؟ وجہِ ترجیح کیا ہے ؟ کیا اُردو سے یہ سب الفاظ و مرکّبات نکال دیے جائیں، تعلیم نِسواں، مہرُالنِّساء وغیرہ ۔ اِن چاروں خلافِ قیاس جمعوں میں پہلی دو اُردو میں رائج ہیں ۔ پہلی سے نسائی اور دوسری سے نسوانی، نسبتیں موجود ہیں ۔ نِسوی یا نُسوی نہ کبھی سُنا نہ پڑھا ۔

«نِسرین ۔ ع ۔ سیوتی کا پھول ۔ جس کو فارسی میں نسترن کہتے ہیں ۔ نِسرین بہ کسرِ نون ہے ۔»

اُردو میں بہ فتحِ اوّل نَسرین ہی مشہور رہے ۔

«نَشاط ۔ عربی ۔ بالفتح ۔ خوشی ..... لیکن نَشیط (خوش ۔ شادمان) کی جمع نِشاط (بہ کسرِ نون) آئی ہے جس طرح کریم کی جمع کِرام ہے ۔»

اُردو میں نہ کِرام بولا جاتا ہے اور نہ نَشاط ۔ سب نِشاط کہتے ہیں ہمیں تو نِشیط بھی نشاط کا امالہ لگتا ہے ۔ عربی میں کیا ہے یہ عرب جانیں البتہ ہم عطیہ نِشاط کو اپنا نام بدلنے کا مشورہ ضرور دیں گے ۔

«نَفَقَہ ۔ ع ۔ بہ فتحاتِ ہر سہ ۔ بال بچوں کا خرچ ۔ اسبابِ معاش»

اُردو میں بہ تسکین الاوسط بولتے ہیں ۔

«نَقِیہ ۔ ا ۔ ناتواں ۔ کمزور ۔ نحیف ..... نقاہت کی طرح نقیہ بھی اردو زبان کا تصرف ہے ۔»

ہمیں اِس تاویل کے ماننے میں تامّل ہے ۔ امیر خُسرو کے زمانے میں اُردو تھی نہ اُردو والے ۔ اِس کے باوجود اُن کے آخری دیوان کا نام بقیۂ نقیہ ہے ۔ جو امیر نے خود رکھا تھا ۔ کیا یہاں نقیہ تابع مہمل ہے ؟ اور اگر یہ آپ نے نقیہ بروزن فقیہ لکھا ہے تو تلفّظ کی وضاحت کرنی تھی ۔ اسی لیے تو اِعراب لگانے کی دُہائی دی جاتی ہے تاکہ لفظ کو صحیح پڑھا جا سکے ۔

یُورُوِش ۔ ف ۔ بہ ضم یا و رائے مہملہ ۔ دھاوا ۔ حملہ ۔ مہم "
اُردو والے یورِش بولتے ہیں ۔

ضمیمہ ۱ ختم ہُوا ۔ ضمیمہ ۲ تمام تر تذکیر و تانیث پر مُشتمل ہے ۔ اگرچہ اُس میں بھی کئی الفاظ سے اختلاف کیا جا سکتا ہے پھر بھی اُسے فی الوقت نظر انداز کیا جاتا ہے ۔

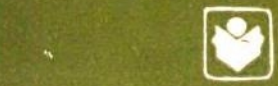

سیمانت پرکاشن

۹۲۲۔ کوچہ روہیلا۔ ترا بہرام
دریا گنج۔ نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۲

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

دو شہروں کی باشندگی پر منحصر تھا، اور اغلباً غلط تھا، اس لیے کہ زبان کا معیار کسی ایک شہر پر نہیں بلکہ ایک وسیع علاقے پر انحصار رکھتا ہے جس میں اُس زبان کے بولنے والے بستے ہیں۔

اغلباً انشا اور دیگر زبان دانوں کا خیال یہ تھا کہ دارُالخلافے کی زبان اِس لیے مستند ہوتی ہے کہ وہ بادشاہ کا مستقر ہوتا ہے۔ باہر سے آنے والے شخص کو دربار اور درباریوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ درباری بادشاہ کے حضور اپنے رکھ رکھاو، رفتار گفتار میں بہت محتاط ہوتا ہے۔ نیز کلام الملوک ملوکُ الکلام مشہور ہے۔ چُناں چہ دربار سے متعلق ہر شخص فصیح ہوجاتا تھا۔ نتیجتہً اُن سے ملنے والا شخص بھی گفتار و کلام میں محتاط ہوتا تھا۔ اِسی لیے جو کوئی دارالخلافے میں رہتا تھا یا اُن فصحا کی صحبت اُٹھاتا تھا، خود بھی فصیح ہوجاتا تھا، چناں چہ جب بعد کو لکھنؤ میں بھی شاہی ہوگئی تو وہاں کے باشندے بھی اہلِ زبان ہونے کا دعویٰ کرنے لگے اور اپنی اِس حیثیت کو منوانے کے لیے اُنھوں نے شعوری طور پر زبان کے عام چلن میں دخل دینا شروع کیا۔ چناں چہ تذکیرو تانیث کے سلسلے میں دلّی سے اختلافات اور مصدر کو مذکر کہنے پر اصرار اُسی دور کی یادگاریں ہیں اگرچہ اس سے الفاظ کی تذکیر و تانیث کے تعیّن میں بڑی اُلجھنیں پیدا ہوتی ہیں اور محویں۔ مثلاً دلّی والا جب کہتا ہے: مجھے روٹی کھانی ہے، تو ہمیں معلوم ہوجاتا ہے کہ روٹی مؤنث ہے۔ اس کے برعکس لکھنؤ والا: مجھے روٹی کھانا ہے، کہتا ہے (بلکہ تھا۔ اب یہ کڑا پن ختم ہوتا جاتا ہے) تو ایک غیر زبان والا یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوگا کہ روٹی مذکر ہے۔

پھر یوں ہوا کہ راج دھانیاں نہ رہیں تو زبان کی مرکزیت بھی ختم ہوگئی لیکن اب "نوابیاں" پیدا ہوگئیں۔ یعنی بادشاہوں کی جگہ نوابوں کے درباروں نے لے لی، اور اُن میں فصحا کا مجمع لگنے لگا۔ چوں کہ زبان کا معیار فصحا اور اُن کی صحبت پر انحصار رکھتا تھا۔ اِن "نوابیوں" کو بھی چندے فروغ ملا۔ یوں تو نوابیاں بہت تھیں لیکن دربارِ رام پور اور حیدرآباد زیادہ ممتاز رہے۔ رام پور تو خیر یو۔ پی۔ میں تھا اور لکھنؤ

اَور دلّی دونوں سے قریب ہونے کے ناتے ویسے بھی فصیحوں کا علاقہ سمجھا جاتا تھا (یوں بھی وہاں دلّی اور لکھنؤ ہر دو جگہ کے فُصحا موجود تھے) لیکن حیدرآباد ایک دُور دراز علاقہ تھا۔ وہاں کی اپنی زبان دکنی تھی۔ اُن کا اپنا لہجہ اور محاورہ تھا۔ شمالی ہند میں اُس محاورے کا رائج ہونا ممکن نہیں تھا اور اسی لیے اُس لہجے کو شمالی ہند والے معیاری ماننے سے مُحترز رہے۔ چناں چہ وہاں بھی معیار، اُن کے محاورے ہیں، "غیر ملکیوں" کے طُفیل تھا جو شمالی ہند سے جاکر وہاں دربار سے مُتوسّل ہو گئے تھے۔ زبان و بیان میں اُنھیں کے روز مرّے اور محاورے کی پابندی مُستحسن سمجھی جاتی تھی۔ چوں کہ یہ "غیر ملکی" کسی ایک شہر یا علاقے کے باشندے نہیں تھے، اِس لیے محاورہ مخلوط ہونے لگا۔ کرتپن میں کمی آنے لگی (یہ سب غیر شعوری طور پر ہوا) لہٰذا سند کسی دہلوی کی ہو یا لکھنوی کی، دونوں قابلِ قبول تھیں۔ لیکن صدیوں کا بویا ہوا بیج جڑ پکڑ چکا تھا یہ زہر رگ و ریشے میں سرایت کر چکا تھا لہٰذا اِتنی آسانی سے کیسے نکل جاتا۔ چناں چہ آج کے ترقی یافتہ دَور میں خالص جدید اَور سائنسی خطوط پر لکھی ہوئی کتابیں (اُردو اِملا، اِملا نامہ وغیرہ) میں بھی فصیح و غیر فصیح کے فتوے مل جاتے ہیں حالاں کہ ان کتابوں کے لکھنے والے یا کمیٹیوں کے ارکان جن کی سفارشات پر اُن کتابوں کا بہت کچھ انحصار ہے، کوئی بھی مُروّج معنی میں اہلِ زبان نہیں ہے یعنی نہ وہ دہلوی ہے اور نہ لکھنوی۔

کہنے کا مُدّعا یہ ہے کہ بالفرض آپ اہلِ زبان اور غیر اہلِ زبان یا محض زبان دان ہونے کے قدیم تصوّر کو تسلیم بھی کر لیجیے تو بھی اَب نہ وہ حالات ہیں نہ ماحول۔ راج دھانیاں اپنے اصطلاحی معنی میں تو اَب بھی ہوتی ہیں لیکن اُن میں تخت یا پائے تخت والی کوئی بات نہیں۔ اب نہ بادشاہ ہیں نہ بادشاہوں کے مُستقر۔ دربار اَب بھی ہیں (ایوان پارلیامنٹ وغیرہ) لیکن درباریوں کی نوعیت مُختلف ہے۔ اب یہ جَنتا کے دربار ہیں۔ دارُالخلافے میں ہر علاقے کا آدمی آتا ہے اَور بھانت بھانت کی بولیاں بولتا ہے۔ اور زبان کے اصلی مقصد (ابلاغ) سے سروکار رکھتا ہے۔ فصیح اَور غیر فصیح کی بحثیں اَدب کی حدوں میں محدود و محصور ہو کر رہ گئی ہیں اَور وہ اِس لیے کہ تحریری زبان تقریری زبان کے

مقابلے میں قدامت پسند اور کم ترقی پذیر ہوتی ہے۔ عام زبان میں آنے والی تبدیلیوں کو سندِ قبول بہت دیر میں اور بڑی مشکل سے ملتی ہے۔ جب پائے تخت نہیں رہے تو زبان کی مرکزیت و معیار کو بھی ختم ہو جانا چاہیے تھا اِس کے لیے سائنسی نکتۂ نظر سے کوئی جدید معیار مُقرّر ہونا چاہیے تھا لیکن ایک عام آدمی کو اَب اِتنی فرُصت ہی نہیں۔ اَدیب بھی اَب ایک مصرُوف فرَد ہوتا ہے۔ پھر اُس کے لیے اِن بحثوں میں اُلجھنے کی کوئی اہمیت بھی نہیں رہی۔ وہ تو ایک زبان بولتا ہے اور لکھتا ہے۔ اور اِس سے اُس کا کام چل جاتا ہے۔ زبان و بیان پر اعتراض کرنے کی بھی کسی کے پاس فرُصت نہیں اَور اچھا ہے کہ نہیں۔

زبان کا تعلّق اُس کے بولنے والوں سے ہوتا ہے۔ ہمارے خیال میں اہلِ زبان وہی ہے جو ایک زبان نہ صرف بولتا ہے بلکہ اُس میں لکھتا پڑھتا بھی ہے۔ لیکن اہلِ زبان کا پُرانا تصوّر مُختلف ہے اَور کُچھ زیادہ واضح بھی نہیں۔ مثلاً اِنشا اَور بعد کے قواعد نویس کا اہلِ زبان ایک خاص شہر کا باشندہ تھا۔ انگریزوں نے ہمیں مادری زبان کا غچّہ دیا۔ فرمایا گیا کہ اہلِ زبان وہ ہے جس کی ماں کی زبان وہی ہو جو اُس شخص کی ہے انگریزوں نے ہمیں NATIVE SPEAKERS کا محاورہ بھی دیا جس سے "علاقائیت" اور "شہریت" کی بُو آتی ہے۔ بہر حال ہمیں مادری زبان کے فریب میں مبتلا کر کے جب اُس قوم کے عُلَما نے جنھیں عرفِ عام میں ماہرینِ لسانیات کہا جاتا ہے، غَور کیا تو مادری زبان بھی ایک مفرُوضہ (MYTH) ثابت ہوا۔ اِس لیے کہ بچّہ زبان ماں سے نہیں بلکہ اپنے قریبی اَور فوری ماحول سے سیکھتا ہے، جس میں ماں بھی شامل ہے۔ جب تک وہ گود میں ہے تب تک ماں کی غوں غاں سُنتا اَور اُس سے متاثر ہوتا ہے (واضح رہے کہ ماں گود کے بچّے سے کسی واضح اَور فصیح زبان میں گُفتگو نہیں کرتی۔ بہت ہوا تو مامُوں، چچا، دیدی، آنٹی قسم کے رشتوں سے مُتعلّق کُچھ اُسما سے اُسے واقف کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ یہ بات برّصغیر کے ماحول و معاشرت کو پیشِ نظر رکھ کر کہی جا رہی ہے۔ غیر ممالک کا ہمیں براہِ راست کوئی تجربہ نہیں)

اور جونہی اُس کے پانو زمین پر پڑنے لگتے ہیں اور وہ گھر کی دہلیز پار کرنے لگتا ہے تو اُس کا ماحول بدل جاتا ہے۔ اب پاس پڑوس کے بچے، گلی محلّے کے ہم جولی اور اُن کے عزیز و اقارب، اُس کے اُستاد ہوتے ہیں۔ ذرا اور قد نکالتا ہے تو اسکول کے اساتذہ اور ساتھی زبان کے سلسلے میں اُس کے اتالیق ہوتے ہیں اور جب تک وہ زبان دانی کی منزل کو پہنچے تب تک خدا جانے کتنے مختلف اثرات کا ہدف و مخزن ہو چکا ہوتا ہے۔ قدیم بادشاہوں کے روایتی اور مشہور تجربات کو چھوڑیے۔ خود ہمارے دور میں، ابھی کل کی بات ہے، ایک بچّہ (جس کو دریافت کرنے والوں نے رامُو نام دیا تھا) بھیڑیوں کے ساتھ جنگل میں پلا اور اپنے عادات و اطوار، رفتار گفتار میں بالکل بھیڑیا لگتا تھا۔ چوپایوں بلکہ درندوں کی طرح کھانا پینا، ویسی ہی آوازیں مُنہ سے نکالنا اور اُن کی زبان کو سمجھنا، یہ سب اُس کی خصلت بن گئے تھے۔ ثابت ہوا کہ زبان ماحول کا عطیہ ہے۔ اُس میں گھر اور باہر ہر دو جگہ کا ماحول شامل ہے۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ زبان ماحول کی دین ہے تو اُس کے بولنے والے ہی اہلِ زبان ہوئے، اور جس طرح وہ کسی زبان کو بولتے ہیں، وہی اُس کا معیار ہوا۔ کسی زبان کا معیاری لہجہ کسی فردِ واحد یا مجموعۂ افراد کی شعوری تعیّن سے طے نہیں ہوتا بلکہ از خود پیدا ہو جاتا ہے۔ اِس سلسلے میں زبانوں نے کبھی لغویّین و "قواعدین" کی تعیّن و تحدید کو تسلیم نہیں کیا۔ اور یہ ممکن بھی نہیں۔ زبانیں پہلے بنتی ہیں اُس کے قواعد و ضوابط بعد کو زبان کے چلن کو دیکھ کر دریافت کیے جاتے ہیں، اور منضبط ہو کر کتابوں میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ وقتی اور ہنگامی ہوتا ہے۔ زبان ایک زندہ، نمو پذیر و ترقی پذیر چیز ہے۔ جانداروں اور انسانوں کی طرح، زبانیں پیدا ہوتی ہیں؛ بڑھتی پھولتی؛ ترقی و تنزّل کے مراحل سے گزرتی ہیں اور جب اُس کے بولنے والے نہیں رہتے تو مر بھی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے لمحہ لمحہ بدلنے والی چیز کے قواعد و ضوابط محض ایک بار طے کر لینے سے کام نہیں چلتا۔ دفعتاً فوقتاً اُن کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔ یہ لازمی ہے ورنہ بچھڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ آدمی کے ساتھ ساتھ بدلتا ہے، وقت کے ساتھ بدلتا ہے وقت کے ساتھ چلتا ہے اور حتی المقدور وقت سے آگے نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیا زبان کے سلسلے میں اُسے یہ سب نہیں کرنا چاہیے؟

گاہے گاہے باز خواں

ڈاکٹر عابد پیشاوری

سیمانت پرکاشن
دریا گنج - نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

اگرچہ ہم یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ زبان کا معیاری لہجہ از خود پیدا ہوتا ہے۔ کسی کے بنائے نہیں بنتا پھر بھی فطری طور پر آدمی بڑا اقدامت پسند ہے۔ وہ بغیر سند و ثبوت کے ایک قدم آگے نہیں بڑھتا (یہ خوبی یا خامی ہماری زبان کے بولنے والوں میں بھی پائی جاتی ہے) ایسی صورت میں ہم سے سوال کیا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی نزاع، کوئی الجھن پیدا ہو تو سند کہاں سے لی جائے۔ سند کس کی قابلِ قبول ہوسکتی ہے، اِس کا جواب ایک حد تک تو خود "اہل زبان" (روایتی معنی میں نہیں) نے پہلے ہی غَلَطُ العام اور غَلَطُ العوام کی اصطلاحیں وضع کرکے دے رکھا ہے۔ "غَلَطُ العَامْ فصیح"۔ لیکن ہماری مشکل یہ ہے کہ یہاں "عام" کو عوام کے نہیں "خواص" کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے (لغویین متوجہ ہوں) جو ہمارے خیال میں دُرُست نہیں۔ زبان عوام بناتے ہیں، خواص نہیں۔ عام سے، ہمارے آج کل کے عالم پڑھے لکھے لوگ مُراد لیتے ہیں۔ حالاں کہ لکھتا پڑھتا تو آدمی بعد کو ہے، پہلے تو بولتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ایک حد تک زبان دان ہوجانے کے بعد پڑھنے لکھنے کی نوبت آتی ہے۔ اِس لحاظ سے غَلَطُ العَام زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے خیال میں غَلَطُ العَام سے قُدما کی مُراد یہ تھی کہ جو لفظ عام ہوگیا ہو (دُوسرے لفظوں میں چلن میں آگیا ہو) وہ فصیح ہے یعنی اُس کے استعمال میں مضائقہ نہیں، بلکہ وہ دُرُست ہے۔ اور یہی ہم کہنا چاہتے ہیں، بلکہ اسی پر زور دینا چاہتے ہیں۔ اِس میں پڑھے لکھے کی قید لگانا غیر ضروری، بلکہ غَلَط ہے۔ پڑھے لکھے اور عُلَما بھی اکثر کسی لفظ کو بالکُل غَلَط بولتے سُنے گئے ہیں۔ جسے نہ تو تسلیم کیا جاسکتا ہے یا کیا جاتا ہے اور نہ کیا گیا ہے۔ مثلاً اُبوالکلام آزاد کے عالِم ہونے میں کِسے شک ہوسکتا ہے؟ وہ ساری زندگی شَرَف کو شُرف بولتے رہے (یہ بات کِسی کتاب میں بھی آچکی ہے)۔ ڈاکٹر خواجہ احمد فارُوقی کو کم بَخَت بولتے ہم نے خُود سُنا ہے۔ گیان چند جَین کو نَبج کو نُبج (نو بج) کہتے سنا گیا ہے۔ اور خَلوت اور جَلوت کو خِلوَت اَور جِلُوت۔ خِلوت تو خیر غَلَطُ العام ہے لیکن جِلوت کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پڑھے لکھے ہونے کی قید بے ضرُورت ہے۔ لہٰذا اعتبار چلن کو ہے اور اِسی نظر سے ہم

نے "قاموس الاغلاط" کو دیکھا ہے۔

یہاں ایک بار پھر واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں نہ اپنے علم و معلومات کا زعم ہے نہ محنت و مطالعے کا۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے ہمارے گذشتہ پچیس تیس برس کے مشاہدات پر مبنی ہے اور ہم نے ہر جگہ چلن کی بات کہی ہے۔ ہم سے بہت پہلے چلن کو قبول کرنے کا مشورہ انشا نے بھی دیا تھا کہ وہ شَرَم، گَرَم، غدَر، صدَر وغیرہ کو قبول کر لینے پر اصرار کرتے ہیں لیکن اُن کی بات نہیں مانی گئی۔ (حالاں کہ کچھ الفاظ کا چلن اتنا راسخ ہو چکا تھا کہ وہ رائج ہو گئے تھے۔ فی الوقت ایک لفظ یاد آ رہا ہے۔ قُلفی جو اصلاً قُفلی ہے قُفل سے، جو پہلے قُلفی ہوا اور بعد کو کُلفی بلکہ اس کا مُکبّر کُلف بنا لیا گیا ہے۔ چناں چہ آج کوئی قُفلی کہے تو نامقبول ہوگا۔) اور ہمیں یقین ہے کہ ہماری بات بھی بہ آسانی نہیں مانی جائے گی۔ ایسی باتیں اکثر کہی جاتی ہیں لیکن تب تک مانی نہیں جاتیں جب تک وہ خود کو منوا نہیں لیتیں۔ البتہ ہم اِس کے قائل ہیں کہ لاعلمی کی بُنیاد پر یعنی جس غلطی کا ہمیں علم نہیں اُسے مان لیں یا اُس پر اعتراض نہ کریں۔ اور جس کا ہمیں علم ہے اُسے چلن کے باوجود ٹھکراتے رہیں۔ (یہاں ہم چپکے سے آپ کے کان میں یہ کہہ دیں کہ اِس سلسلے میں ہم خود بھی قدامت پرست واقع ہوئے ہیں البتہ بہت زیادہ کٹر نہیں ہیں۔)

کتاب کے مؤلفین کی بابت دو فقرے کہنا بھی ضروری ہے۔ ہمیں مؤلفین کا احوال بالکل معلوم نہیں تاہم اُن کے نام سے کئی علمی کتابوں کا اشتہار خود "قاموس الاغلاط" کے خاتمے پر موجود ہے۔ اُن کے علم و معلومات، مطالعہ، تلاش و تفحّص سے انکار کرنا کفر اور اُس کی داد نہ دینا بد دماغی اور جہالت کے مترادف ہے۔ اُنھوں نے جتنی محنت اِس کتاب کی تیاری میں اُٹھائی ہوگی اُس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ اگر ہم اُس کا عُشرِ عشیر بھی اِس کتاب کی تالیف میں محنت و مطالعہ کرتے تو یہ تالیف بھی عالمانہ ہو جاتی لیکن یہ ہمارا مقصود نہیں۔ یہاں یہ بھی عرض کر دیں کہ مؤلفین نے بھی کہیں مجبوراً، کہیں غیر شعوری اور کہیں شعوری طور پر چلن کے آگے سرِ تسلیم خم کیا ہے۔

آخر میں ایک بار پھر اِس اَمر کا اِظہار کر دینا ضروری ہے کہ ہم نے مُولفین کے لکھے ہوئے کسی لفظ کے تلفُّظ، اِملا، علاماتِ اوقاف، حرکات وسکنات کو بالکل نہیں چھیڑا حالاں کہ اِس کی وجہ سے اُن کی کتاب میں خاصا اِنتشار نظر آتا ہے۔ ایک ہی لفظ کو مُختلِف طرح سے لکّھا گیا ہے۔ کہیں الفاظ کو مِلا کر لکّھا ہے کہیں الگ الگ۔ قوسین کا استعمال بھی کسی ایک اُصوُل کے تحت نہیں ہوُا۔ حالاں کہ اُنھوں نے کتاب میں ایک جگہ "علیٰحدہ" کی بحث میں کہا ہے:

"بہت سے ایسے مرکب الفاظ ہیں کہ ان کو جدا جدا لکھنے سے اصلیت آشکار ہو جاتی ہے اور معنی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ مگر ملا کر لکھنے کا کچھ ایسا طریقہ مروّج ہوگیا ہے کہ باغبان۔ بیباک۔ بلیوّا۔ دلچسپ۔ دلکش۔ دلخواہ۔ جانگداز۔ جانگسل۔ عنقریب۔ منجانب۔ انشاألله۔ تنگدستی۔ چابکدستی۔ حاجتمند۔ دانشمند۔ خوشنما۔ خوشبو۔ بتکدہ۔ ہیچمداں۔ سیپارہ وغیرہ وغیرہ صدہا مرکب الفاظ ہیں جن کو کم سواد مفرد سمجھتے ہیں۔ گار۔ ور۔ مند۔ کے ساتھ بہت سے الفاظ مرکب ہیں۔ اگر کوئی پروردگار۔ بہرہ ور۔ خردمند کے اسلوب پر کام گار۔ نام ور۔ ارج مند۔ عقل مند۔ جدا جدا لکھے تو یاللعجائب کی صدائیں ہر طرف سے بلند ہو جائیں۔ اردو کے رسم الخط میں بہت کچھ اصلاح کی ضرورت ہے [شاید مُراد املا سے ہے] ہماری "مجلس تقدم المعارف" کے عزائم میں سے اس کی جانب بھی عزم بالجزم ہے۔"

لیکن اِس عزم بالجزم کا کوئی عملی ثبُوت اِس کتاب میں نہیں ملتا۔ محض حقیقت کا عِلم رکھنا اور اُس پر کتابیں لکھنا مسئلے کا حل نہیں ہے۔ عملاً اُس کی پیروی بھی کرنی چاہیے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اِس کتاب کو پڑھنے میں بڑی اُلجھن ہوتی ہے۔ بہت سے الفاظ کے تلفُّظ میں التباس پیدا ہوتا ہے۔ جہاں تک مُمکن ہو اِعراب لگانے چاہییں۔ کتابت کی غلطیوں سے تو کوئی کتاب مصؤن و مامؤن نہیں۔ چناں چہ اِس کتاب میں بھی کتابت

کی غلطیاں ہیں۔ بلا مُبالغہ ہمیں سیکڑوں الفاظ پر اعراب لگا کر کاٹنے پڑے کہ کتاب میں اُن پر اعراب نہیں تھے۔ چناں چہ ہم نے کوشش کی ہے کہ کتاب سے جو کچھ نقل کیا جائے۔ جُوں کا تُوں کیا جائے۔ اپنی تحریر میں البتہ ہم نے اُسی طرح لکھنے کی کوشش کی ہے جس طرح لکھنے پر آج کل زور دیا جاتا ہے یا جس طرح ہم صحیح سمجھتے ہیں۔ لہٰذا یقین ہے کہ ہماری تحریر کو پڑھنے سے وہ اُلجھنیں دُور ہو جائیں گی جو متنِ کتاب کو پڑھنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر مُولفین اِعراب لگانے کا اہتمام کرتے تو کئی ایسے الفاظ کے تلفُّظ کی وضاحت بھی ہو جاتی جن کا متنِ کتاب میں کوئی ذکر نہیں۔ خیر اُن کا ذِکر مُولفین نے "اپنے بڑے لُغت" میں کیا ہوگا جس کا ذِکر ضمناً کئی جگہ آگیا ہے۔ اِس لحاظ سے یہ تالیف بھی نمونہ مُشتے از خروارے کے مِصداق ہے ورنہ خدا جانے اور کتنے اَغلاط ہوں گے جو ضخیم لُغت کو دیکھنے سے سامنے آئیں گے۔ ویسے مُختلف الفاظ پر تبصرہ کرتے ہوئے خود ہمارے ذہن میں بے شمار الفاظ آتے رہے ہیں جن پر اظہارِ خیال ضروری معلوم ہوتا تھا لیکن ایسا کرنے میں کتاب کے نام سے "بازخوانی" کی صِفت جاتی رہتی۔ ہمارا مقصد تو یہی جتانا ہے کہ ہم اپنی پرانی کتابوں کو گاہے گاہے پڑھتے رہا کریں۔ اِس سے بہت سی غَلَط فہمیوں کا اِزالہ ہوتا ہے، عِلم و معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، اور صحیح صُورتِ حال سے آگاہی ہوتی ہے۔ چناں چہ ہم مُولفین کے شکر گزار ہیں کہ اگر اُن کی کتاب نہ ہوتی تو ہمیں اپنی زبان کا جائزہ لینے کی تحریک ہی نہ ہوتی۔

آئیے اب اِس تفصیل طرازی کو چھوڑیں اور اصل کتاب کا مُطالعہ شروع کریں۔ جو کچھ کہنے سے رہ گیا ہے موقعے موقعے سے اُس کا ذِکر آتا رہے گا۔

قاموس الاغلاط

قاموس الاغلاط متن

"آبِ رواں ۔ ا ۔ مذکر ۔ ایک قسم کا لطیف کپڑا ۔ آتش ؎

کسی کی مَحرمِ آبِ رواں کی یاد آئی
حباب کے جو برابر کوئی حباب آیا

آبِ رَواں اُردو ہے اور مَحرم (انگیا کے معنی میں) بھی اردو ۔ پھر (مَحرمِ آبِ رَواں) کہنا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے ؟"
[ص ا]

بہ قولِ مؤلفین آبِ رَواں اُردو ہے اور ایک قسم کے کپڑے کا نام ۔ مُحرم بھی انگیا کے معنی میں اُردو ہے ۔ لہٰذا اِن میں فارسی کی اِضافت جائز نہیں ۔ ہمیں پہلی بات تو یہ عرض کرنی ہے کہ نکرہ میں نہ سہی اَسماے معرفہ میں اضافت جائز اور روا رکھی گئی ہے بلکہ مجبوری ہے ۔ اِسے ناجائز قرار دینے سے کام نہیں چلے گا ۔ مثلاً اگر آپ کو فارسی میں "من موہن یا جگ موہن کی ماں" یعنی مادرِ من موہن کہنا ہو تو آپ کیا کریں گے ؟ کیا اِن ناموں کی جگہ اِن کا ترجمہ دِل فریب و جہاں فریب لکھیں گے ؟ چناں چہ آپ من موہن اور جگ موہن لکھنے پر مجبور ہیں ۔ اُردو میں اِس قسم کے مُرکّبات مُستعمل ہیں اور اُنھیں کوئی ناجائز نہیں کہتا اور نہ کہہ سکتا ہے ۔ ایک سامنے کی مثال "اے آبِ رودِ گنگا" ہے ۔

دوسری بات اِس سلسلے میں یہ ہے کہ زبان ایک زندہ اور نمو پذیر چیز ہے کوئی جامد اور بے جان پتھر کا ٹکڑا نہیں ۔ سائنس تو جامد اور جڑ چیزوں میں بھی تغیّر و تبدل کی قائل ہے ۔ پھر ایک نمو پذیر شے کیوں کر جامد ہو جائے گی اور کوئی تبدیلی قبول نہیں کرے گی ؟ واقعہ یہ ہے کہ

دُنیا کی کوئی چیز اِتنی کثیرُ الاستعمال نہیں جتنی زبان۔ ایک چیز اگر مدّتِ مدید تک ایک ہی آدمی کے استعمال میں ہے تو بھی اُس کا حُلیہ بگڑ جاتا ہے۔ زبانوں کو کروڑوں انسان بہ یک وقت کئی صدیوں سے اِستعمال کر رہے ہیں۔ کیا اُن میں کوئی تبدیلی نہیں آنی چاہیے؟ اب رہی یہ بات کہ زبان میں تبدیلیاں کیوں اور کتنی قسم کی ہو سکتی ہیں یا ہوتی ہیں۔ تو اِس کا کوئی کافی یا مُسکِت جواب بڑے بڑے ماہرینِ لِسانیات نہیں دے سکے تو ہم ایسے ایک طالبِ علم کی کیا بساط! البتّہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ زبان میں تبدیلیاں ہونے کے کئی اسباب ہیں، اُن میں ایک کثرتِ اِستعمال بھی ہے۔ تبدیلیوں کی اتنی اقسام ہیں کہ اُن کا احصا و اِحاطہ مُکمّل طور پر کیا ہی نہیں جا سکتا۔ یہاں اتنا ہی کہنا کافی ہو گا کہ بے شمار اقسام کی تبدیلیوں میں ایک یہ بھی ہے کہ زبان کے بولنے والے اپنی زبان میں پہلے سے موجود الفاظ و تراکیب کے قیاس پر نئے الفاظ و تراکیب تراش لیتے ہیں اور "محرمِ آبِ رواں" میں بھی یہی ہُوا ہے۔ مَحرم عربی کا لُغت ہے اور آبِ رواں فارسی۔ ایسے الفاظ میں اضافت کا چلن اُردو میں پہلے سے موجود ہے۔ اب یہ اور بات ہے کہ یہ دونوں نئے معنے میں اِستعمال ہوئے ہیں۔ لیکن اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آتش نے اپنی زبان میں رائج تراکیب پر قیاس کر کے انھیں بھی بہ اضافتِ فارسی باندھ دیا۔

"ابریشُم۔ مُذکر۔ بضمّ شین معجمہ۔ ریشم۔ نظامی نے

بسا مُرغ را کز چمن گم کُنند   قفس عاج و دام از بریشُم کنند

بَریشُم (ابریشم کا) مُخفّف ہے۔"

اہلِ ایران کچھ بولیں، اُردو والے تو اَبرِیشَم، بریشَم اور رِیشَم ہی بولتے ہیں۔ اُردو میں ایرانی تلفّظ پر اصرار کرنا، بہ حیثیتِ زبان، اُردو کی آزاد

حیثیت کو نہ ماننے کے مترادف ہے۔

"آبِ مُونگ - ایک فارسی ایک ہندی لفظ کے ساتھ ترکیبِ اضافی غلط ہے۔"

ہم اسے بھی آبِ گنگا قسم کی تراکیب سے سمجھتے ہیں، لہٰذا دُرست۔

"اپیل - ان - مذکر - مُرافعہ - بعض نے مؤنث بھی لکھا ہے لیکن تذکیر کو ترجیح ہے۔"

مُمکن ہے جب قاموس الاغلاط لکھی گئی تھی اُس وقت تذکیر کو ترجیح ہو۔

گذشتہ ۲۵ - ۳۰ برس میں ہم نے اِسے ہمیشہ اور ہر جگہ مؤنث ہی سُنا ہے۔ اپیل انگریزی زبان کا لفظ ہے۔ اُردو میں انگریزی کے علاوہ فارسی، عربی، ترکی، سنسکرت، پرتگالی اور خدا جانے کِس کس زبان کے الفاظ داخل ہو گئے ہیں۔ ایسے الفاظ کو مُستعار یا دخیل الفاظ کہتے ہیں۔ ان کی تذکیر و تانیث کا مسئلہ خاصا پریشان کُن ہے اِس لیے کہ اِن کا کوئی قاعدۂ کُلیہ نہیں۔ یہ اُلجھن ایسے الفاظ کے سلسلے میں پیدا ہوتی ہے جہاں اصل زبان میں ایسے الفاظ کی جنس طے نہ ہو۔ کچھ مُدت ایسے الفاظ سیال حالت میں مختلف فیہ رہتے ہیں (کبھی کبھی مختلف مراکز میں اُن کی مختلف صورتیں رائج رہتی ہیں) پھر بولنے والوں کا ذوقِ سلیم ایک صورت طے کر دیتا ہے۔ جو سند کا درجہ پا لیتی ہے۔ اِس لیے چلن کی پیروی کرنی چاہیے اور اِس کے لیے گاہے گاہے اپنی زبان کا جائزہ لیتے رہنا مُفید ہوتا ہے۔ [ص ۱]

"آتش - فارسی - مؤنث - کسرۂ تائے قرشت، سے جو لوگ کہتے یا لکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ قدیم فارسی میں (آتِش) تھا۔ اُس سے (آتِش) ہو گیا، نظامی ؎

ہمہ کارشاں شُرب و آتشگری ؛ نگشتہ شبی گردِ چالشگری

جو لوگ فتح کو ترجیح دیتے ہیں وہ کثرتِ استعمالِ شعرا سے اپنے دعوے کو قوت دیتے ہیں اور حق یہ ہے کہ جہاں تک دیکھا گیا سرکش اور شش وغیرہ قوافی میں پایا گیا۔ سعدیؒ ؎

حریص و جہاں سوز و سرکش مباش ٭ ز خاک آفریدندت آتش مباش

اوّل تو ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ جب اس میں کوئی غلطی نہیں تو اِس لفظ کو قاموس الاغلاط میں شامل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ مُختلف فیہ لفظ ہے۔ فارسی سے دونوں طرح کی سَند آپ نے خُود فراہم کردی۔ قدیم فارسی میں "ی" سے لکھا جانا "ت" کے بالکسر ہونے کی دلیل ہے۔ پھر "جہاں تک دیکھا گیا" کا کیا سوال۔ ویسے اطلاعاً عرض ہے کہ یہ دونوں طرح دُرست ہے۔ البتہ بولنے والے "ت" کے کسرے سے بولتے ہیں اور لکھنے میں اکثر بالفتح لکھتے ہیں۔ تحریری زبان تقریری زبان کے مقابلے میں زیادہ قدامت پسند اور رِوایت پرست ہوتی ہے۔

"آنار۔ سیر (وزن) کے معنی میں غلط ہے۔"

کبھی ہوگا، اب غلط نہیں۔ چُناں چہ لُغات میں بھی ملتا ہے اور فارسی کی درسی کتابوں مثلاً غنچۂ فارسی وغیرہ میں بھی۔ جب رائج ہو گیا ہے تو غلطی کا کیا سوال۔ اِسے مَن کہنے سے تو رہے!

"اِجابت۔ ع۔ مؤنث۔ قبُول۔ تعجُب ہے کہ رفعِ براز کے معنی میں اِس کا استعمال ہونے لگا۔"

اِس میں تعجُب کی کیا بات ہے۔ آپ بہت سی بُری باتوں اور بُری سمجھی جانے والی چیزوں کا براہِ راست نام نہیں لیتے بدشگُونی سے بچنے کے لیے۔ آپ اِسے توہّم کے زُمرے میں رکھ سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں اندھے کو بصیر، حافظ اور سورداس کہتے ہیں؛ بھنگی اور خاک رُوب کو مہتر کہتے ہیں؛ سانپ کو کیڑا اور اُس کے کاٹ لینے کو کیڑا چھُو گیا یا کیڑے نے کاٹ لیا، کہتے ہیں؛ آگ لگنے کو پھُول پڑنا کہتے ہیں؛ چیچک یا سیتلا کو ماتا کہہ کر پکارتے ہیں۔ یہ بھی اِسی قبیل سے ہے۔

اب اِسے تو ہم پرستی کہیے یا تہذیب و شایستگی ۔ انگریزی میں اِسے یوفے مزم (EUPHEMISM) کہتے ہیں اور لسانیات میں اِسے معنوی تبدیلی کہا جاتا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ معنوی تبدیلیاں کئی قسم کی ہوتی ہیں اور اُن کے اسباب بھی بہت ہیں ۔ اُن میں ایک یہ بھی ہے کہ لفظ جب ایک مقام سے دوسرے مقام تک یا ایک زبان سے دوسری زبان میں سفر کرتے ہیں تو اُن میں کئی طرح کی معنوی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں ۔ اجابت میں بھی ایک قسم کی معنوی تبدیلی ہی ہے ۔

"اَجِنّہ ۔ ع ۔ مذکر .... جن خود اسم جنس ہے واحد و جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے ۔ اجِنّہ جِن کی جمع صحیح نہیں ۔"

پہلی بات تو ہم کو یہ عرض کرنی ہے کہ جِن ہمارے ہاں بہ تخفیف یعنی "جن" بروزنِ سن بھی مستعمل ہے بلکہ یہی صحیح ہے ۔ دوسرے اَجِنّہ خلافِ قاعدہ سہی لیکن اردو میں جِن کی جمع کے طور پر مستعمل ہے ۔ مثلاً

اَجِنّہ میں تھے وہ سردار نامی ہزاروں دیو کرتے تھے غلامی

لہٰذا اگر ہم نے زبان میں ایک لفظ کا اِضافہ کر لیا تو کیا جرم کیا ؟

"آچار ۔ ف ۔ مذکر ۔ اردو میں اَچار کہتے ہیں ۔"

مقصد کیا ہے ؟ ہم لوگ آچار سے واقف ہی نہیں ۔ فارسی میں کیا ہے اُس سے اُردو والوں کو غرض ؟ آپ اَچار کو اُردو کہیے ۔ اُسے فارسی کا طفیلی بنانے کی کیا ضرورت ہے ؟

اِحاطہ ؛ ع ۔ مذکر ۔ گھیرا ۔ چاردیواری ۔ ذوق ؎

اِحاطے سے فلک کے ہم تو کب کے نکل جاتے مگر رستہ نہ پایا

پریسڈنسی ۔ صوبہ ۔ جیسے احاطۂ بمبئی وغیرہ [بمبئی تو ہندوستانی ہے

آپ نے احاطے کے ساتھ مرکبِ اضافی کیوں کر بنایا یا ؟ عوام النّاس حاطہ کہتے ہیں "
کہتے ہوں گے۔ آپ کے یہاں الفاظ کو مُخفّف و مُرخّم کرنے کا رِواج
ہے اور مشہور الفاظ پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتا مثلاً افسانہ سے فسانہ۔
اِس لیے اگر احاطہ کو عوام نے حاطہ کر لیا تو اِس میں کوئی قباحت
نہیں بلکہ ہم نے تو "حیطۂ تحریر" تک پڑھا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں
کہ یہ الف کے حَذف کے بعد امالہ ہو؟ خیر کچھ بھی ہو، ہمیں جو خاص
بات عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ زبان عوام النّاس ہی کی دین ہے۔
خواص کو اِس سے کوئی خاص تعلّق نہیں ہوتا۔ وہ تو اُس کی ترقّی
کے رستے میں روڑے ہی اٹکاتے ہیں۔ زبان کو فروغ تو عوام ہی
دیتے ہیں۔

"اَحوال۔ ع۔ مذکر۔ جمع حال۔ اُردُو میں بجائے واحد مُستعمل ہے۔"
داخلِ لُغات کرنے کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا۔ عربی میں جمع ہوگا۔
اُردُو میں تو واحد بلکہ فارسی میں بھی واحد ہے اور جمع احوال ہا آئی
ہے۔ البتّہ اِسے بہ طور جمع بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

"اَخبار۔ ع۔ مذکر۔ (خبر کی جمع) خبریں۔ حالات۔ اَحادیثِ نبویؐ۔ وہ پرچہ
جس میں مُختلف مقامات کے مختلف حالات وغیرہ چھپتے ہیں۔ اِس کا استعمال
بہ طورِ واحد ہوتا ہے۔"

اِس میں بھی چوں کہ کوئی غلطی نہیں لہٰذا اِسے بھی شاملِ کتاب نہیں
کرنا چاہیے تھا۔ غالباً مقصد غیر شعوری طور پر چلن کو تسلیم کرنا ہے۔ یہاں
ایک بات یہ عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ بعض لوگوں کی زبان سے واحد
مؤنث بھی سننے میں آیا ہے لیکن اِدھر کئی برس سے اہلِ پنجاب بھی
مذکر ہی بولنے لگے ہیں۔

"آختہ۔ غلط ہے صحیح لفظ (اَختہ بروزن تختہ) ہے۔"

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

ISBN 81-85786-72-0

قیمت : ۱۲۵/- روپے
اشاعت : ۱۹۹۴ء
سرورق : ساجد
طباعت : انیس آفسیٹ پرنٹرز۔ دہلی۔ ۲

ناشر : نریندر ناتھ سوز

سیمانت پرکاشن
۹۲۲، کوچہ روہیلہ خان
تراہا بہرام خاں، دریا گنج، نئی دہلی ۲۔۔۔۱۱

AHE-GAHE BAAZ KHAWAN : Dr.ABID PESHAWARI
Price. Rs.125.00

SEEMANT PRAKASHAN
922, Kucha Rohella Khan
Daryaganj, NEW DELHI-110002
Phone: 3270284, 3281880

اُردو میں آختہ ہی مستعمل ہے۔ خود اسی کتاب کے ضمیمہ ۱ میں یہ لفظ دوبارہ آیا ہے۔ وہاں اِسے آختہ بروزن ساختہ لکھا ہے۔

"اَخراجات۔ اردو والوں نے خرچ کی جمع الجمع بنالی ہے جیسے خبر کی جمع الجمع اخبارات ...."

بالفرض اُردو والوں نے بنالی ہے تو ہرج کیا ہے؟ ویسے ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ اخراج سے کام نہیں چلتا اِس لیے اَخراجات استعمال کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً آپ کو ایک کتاب چھپوانی ہے۔ اُس میں طرح طرح کے خرچ کرنے ہوتے ہیں۔ کاغذ کا خرچ، کتابت کا خرچ، چھپائی کا خرچ، جِلد بندی کا خرچ، سرورق کے ڈیزائن اور چھپائی کا خرچ۔ اب اگر آپ کو کسی سے اِن سب خرچوں کا تخمینہ پوچھنا ہو تو آپ کیا کہیں گے؟ اَخراجات کا تخمینہ کیا ہوگا۔ اُردو والے صَرف کے معنی میں نہ خرچ اِستعمال کرتے ہیں نہ اخراج۔ اُس کے معنی تو خارج ہونا ہی لیے جاتے ہیں۔ ہم نے اپنے طور پر خرچ کی جمع بنالی ہے۔ فارسی والے شاید خرچ کو اسم جِنس مان کر اِس کی جمع استعمال نہیں کرتے۔ واحد جمع ہر دو حالت میں خرچ سے کام چلالیا جاتا ہے۔ اب اخبارات کو بھی خبر کی جمع الجمع سمجھنا غَلَطی ہے۔ اَخبار NEWS PAPER کے معنی میں واحد ہے اور اُس کی جمع اخبارات ہے۔

"آخرش۔ ف۔ آخر کو۔ انجام کار۔ اِس لفظ میں شین زائد ہے۔ اکثر شعرائے مُتقدّمین و متاخرین اُردو نے اِس کا استعمال کیا ہے۔ محققین کو اس کی صحت میں کلام ہے اِس لیے اِس کا ترک اَولیٰ ہے۔"

جی نہیں! زبان محققوں کی نہیں بولنے والوں کی میراث ہے۔ ہم جیسا بولتے ہیں محققین اُس کی تحقیق کرکے اُس کے قواعد وضوابط مُنضبط

کرتے ہیں "۔ آخر میں ش بڑھا کر ہم آخرِ کار کے معنی لیتے ہیں۔
اِس طرح یہ ایک نیا لُغت ہے اور ذخیرۂ زبان میں اِضافہ۔ ترک
کرنے کا کیا مطلب ؟ عجیب بات ہے، لوگ اپنا سرمایہ بڑھاتے
ہیں، ہم کرؔپن سے نقصانِ مایہ کے مُرتکِب ہوتے ہیں۔

" اَخلاق۔ ع۔ مذکر۔ خُلق کی جمع۔ اُردو میں بجائے واحد بھی کہا جاتا ہے۔"
واحد بھی نہیں، واحد ہی بولا جاتا ہے۔ خُلُق کی جمع عربی میں ہوگی اور
اُس کا استعمال بھی ہوگا۔ اُردو میں تو ہم "اُس کا اَخلاق اچھا نہیں"
ہی کہیں گے نہ کہ اُس کا خُلق اچھا نہیں۔

" اِخْوان۔ ع۔ (جمع اَخ) بھائی "
شاملِ کتاب کرنے کا مقصد ؟ ویسے درج کیا ہی ہے تو ایک گزارش
سُن لیجیے۔ اگرچہ عربی خواں حضرات اِسے بہ کسرِ اوّل ہی لکھتے بولتے
ہیں لیکن عام پڑھا لکھا آدمی اِسے اَخْوان کہتا ہے۔ سبب یہ کہ عربی
میں بہ کثرت جمعیں بفتحِ اوّل آتی ہیں مثلاً اَمثال، اَلوان، اَصحاب،
اَرباب وغیرہ۔

" اَخی۔ ع۔ (اَخ کے معنی بھائی اور ی ضمیرِ متکلم) میرے بھائی۔ بعض شعرا نے
صرف بھائی کے معنی میں بھی کہا ہے۔۔۔۔ صرف بھائی کے معنی میں قابلِ ترک ہے۔"
یہ زیادتی ہے۔ جب حُکمِ الٰہی، خدا کا حُکم ہے میرے خدا کا حکم نہیں۔
محمودِ الٰہی، ستودۂ خدا نہ کہ میرے خُدا کا محمود۔ اسی طرح اَخی بھی محض
بھائی کے معنی میں رائج ہو گیا ہے۔

" آداب۔ ع۔ حفظِ مراتب۔ دستور۔ قاعدے۔ سلام تعظیمی۔ بہ طور واحد بھی مستعمل ہے۔"
یہ نہ کوئی نئی اِطلاع ہے نہ غلطی۔ درجِ کتاب نہیں کرنا چاہیے تھا۔
البتّہ "بطور واحد بھی مُستعمل ہے۔" مغالطہ آفریں ہے۔ بہ معنی دستور
اور قاعدے بہ طور جمع اور بہ معنی سلامِ تعظیمی واحد مستعمل ہے۔

"ادائگی ا۔ ادا کرنا۔ ادا سے ادائی کہا جا سکتا ہے۔ جیسے صفا سے صفائی۔ ادائگی یا ادائی کسی شاعر کے شعر میں دیکھا نہیں گیا۔ صفائی اردو، فارسی شعرائے لکھا ہے ..."

یہ ذرا ٹیڑھا مسئلہ ہے۔ اس کی لسانیاتی توجیہہ تو یہی ہے کہ الفاظ جب سفر کرتے ہیں تو اُن میں صوتی یا معنوی تبدیلیاں واقع ہوتی یا ہو سکتی ہیں اور یہ بھی اُسی قسم کی ایک تبدیلی ہے، اور ہمسائگی کے قیاس پر تراشا گیا ہے۔ لیکن اِس کا ایک نفسیاتی پہلو بھی ہے۔ اگر چہ اِس قسم کی تبدیلیوں کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اوّل اوّل کوئی شخص کسی مُغالطے یا اتفاق سے اِس قسم کی غلطی کا مُرتکب ہوتا ہے اور پھر وہ غلطی مُروّج ہو جاتی ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو بات اتنی سادہ نہیں۔ ڈارون SURVIVAL OF THE FITTEST کا قانون پیش کرتا ہے جس کے مُطابق زندہ وہی رہ سکتا ہے جس میں قوتِ مُدافعت بدرجۂ اتم موجود ہو ورنہ وہ وقت کے تھپیڑے برداشت کر ہی نہیں سکتا۔ یہیں سے نفسیات کا عمل دخل شروع ہو جاتا ہے۔ ایک چیز ہوتی ہے اِجتماعی لاشعور۔ اِسی طرح اجتماعی مذاق، ذوق یا خوش مذاقی بھی ہو سکتی ہے۔ یہ کسی زبان کے بولنے والوں کا اِجتماعی ذوق سلیم ہی ہے جو دُرست کے مُقابلے میں غلط کو ترجیح دیتا ہے۔ اگر چہ خدائی، صفائی، بُرائی قسم کے بے شمار اسما زبان میں رائج ہیں۔ لیکن ادائی اچھا نہیں لگتا، بس۔ اِس لیے عالِم اور عامی سب ادائگی لکھتے بولتے ہیں۔ اگر چہ زبانوں کا ڈھانچا بہت با قاعدہ ہوتا ہے اور اُن کا نشو نما بھی لیکن اِس میں بے قاعدگیاں بھی بہت ہوتی ہیں جن سب کی تاویل کر پانا ممکن نہیں۔ مثلاً ہم میدان سے میدانی، اِنسان سے اِنسانی، شوخ سے شوخی، خوب سے خوبی بناتے ہیں یعنی کیفیت کے اظہار کے لیے یائے نسبتی کا اضافہ کیا جاتا ہے لیکن عام و خاص

سب روح سے روحانی بولتے اور لکھتے ہیں۔ نہ کوئی معترض ہوتا ہے اور نہ ہی سب کو اس کا علم ہے کہ ہم غلطی پر ہیں۔ کیا نادانستہ اغلاط درست ہیں اور جن کا ہم کو علم ہے اُن میں ہم چلن کے مخالف ہو جائیں؟ چلن زخار اور تندرو دریاؤں کی طرح ہے۔ اُس کا رُخ کسی حد تک موڑنا تو ممکن ہے لیکن انھیں اُلٹے رُخ یعنی اپنے منبع کی طرف لوٹانا ناممکن ہے۔ اُردو میں جایداد اور پایدار قسم کے مرکبات موجود ہیں جو اصلاً جا + داد اور پا + دار ہیں۔ ہم نہ پاے کہتے ہیں نہ جاے لیکن جب مرکب بناتے ہیں تو "ی" کو برقرار رکھتے ہیں۔ اب لوگ لاکھ جاداد کو درست بتائیں، کوئی نہیں مانتا۔ ایسا بھی نہیں کہ ہم جاے اور پاے سرے سے بولتے ہی نہیں۔ شعرا کے یہاں جاے کی مثالیں مل جاتی ہیں ع

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جاے ہے

اور پاے سے تو کئی مرکبات موجود ہیں مثلاً پاے مال [پایمال]، پاے پچہ [تحریر میں غلطی سے اکثر "ی" کو ہمزہ سے بدل دیا جاتا ہے] مُدعا اس طویل گفتگو سے صرف اتنا ہے کہ زبانوں میں چلن بڑی جابر چیز ہے۔

"آدمیت۔ ع۔ مؤنث۔ عقل و شعور۔ خلق و مروت۔ وضعداری ملنساری..." [خط کشیدہ تراکیب غلط ہیں، تفصیل آگے آتی ہے]

اس میں کوئی غلطی نہیں بتائی گئی۔ اغلباً یہ بتانا مقصود ہے کہ اس میں ی مشدد ہے۔ لیکن مشاہدہ بتاتا ہے کہ عربی فارسی کے اگر کُل نہیں تو بیشتر الفاظ جن میں آخری "ت" سے پہلے "ی" ہے وہ مخفف و مشدد ہر دو صورت بولے جاتے ہیں۔ البتہ مرکبِ اضافی کی صورت میں ی عموماً مشدد ہوتی ہے۔

"اَدْعِیَہ ۔ ع ۔ جمع دعا ۔ جیسے اَغذِیَہ ۔ جمعِ غذا ۔"

جب کوئی غلطی بتائی ہی نہیں گئی تو شامل اَغلاط کرنے کا مقصد؟

اَدوِیَہ ۔ ع ۔ جمع دوا ۔ ادویات کہنا غلط ہے ۔"

عَربی میں بعض الفاظ کی جمع بھی ہوتی ہے اور جمع الجمع بھی ۔ ہم اِس کے مقصد یا جواز سے واقف نہیں ۔ البتّہ اتنا جانتے ہیں ایسے الفاظ میں اُردُو والے یا تو جمع کو یکسر نظر انداز کر کے جمع الجمع ہی کو بہ طور جمع اِستعمال کرتے ہیں یا پھر دونوں صورتیں رائج ہو گئی ہیں ۔ لہٰذا اردُو میں اَدوِیہ نہ کوئی لکھتا ہے نہ بولتا ہے، سب اَدوِیات کہتے، لکھتے ہیں۔ مُستثنیات سے بحث نہیں کر وہ تکلُّف محض ہے یا اِظہارِ عِلمیت کی دھن ۔ ہم فتوح اِستعمال نہیں کرتے، فتوحات لکھتے بولتے ہیں ۔ ہم فروع پر توجہ نہیں دیتے، فروعات میں ضرور اُلجھتے ہیں ۔ قُدما نے اگر لکھا ہے تو یہ گئی بیتی بات ہے ۔ اَب ماضی کو نہ زِندہ کیا جا سکتا ہے نہ اِس کی کوشش ہی کرنی چاہیے ۔ وجوُہ البتّہ رائج ہے ۔

"آذَر ۔ ف ۔ مذکر ۔ فارسیوں کا نواں مہینا ۔ نومبر اور دسمبر سے ملتا ہے ۔"

اِس میں نہ کوئی غَلَطی ہے اور نہ کسی کو اِس سے اختلاف ہے، پھر درج کتاب کرنے کا سبب ؟

" اَذِیّت ۔ ع ۔ مؤنث ۔ تکلیف ۔ دُکھ ۔"

اِس کا اندراج بھی بے ضرُورت ہے ۔

" اَرجُمَنْد ۔ ف ۔ (مرکب ہے اَرج اور مَنَد سے ۔ اَرُج بمعنی قیمت ۔ قدر و مرتبہ ۔ مَنَد بمعنی خداوند) اِس کو بضم جیم ارجُمند کہنا غلط ہے ۔"

اُردُو میں ہر دو صوُرت سُننے میں آتا ہے ۔ مُختلف فیہ مان لیجیے ۔ ویسے یہ تبدیلی اَلفاظ کو مِلا کر لکھنے کے سبب ہوئی ۔ اگر اَرج مند لکھا جاتا ہوتا تو کوئی اُرجُ مند نہ کہتا ۔ اب تو مختلف فیہ مان لیجیے ۔ بعینہٖ یہی حال اَنجُمن

کلمہ ہے جیسے بعض لوگ انجمن بولتے ہیں۔

"اَرِسطو۔ی۔ بکسرِ رائے مہملہ ...."

آج تو کوئی جاہل ہی اَرِسطو بولے گا۔ سب اَرَسطو بولتے ہیں۔

"اِرقام۔ عربی میں دیکھنے میں نہیں آیا۔ فارسی دو ایک لُغت کے سوا عَربی لغت محیط المحیط۔ تاج العروس وغیرہ میں نہیں ہے۔ اِس لیے صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اِرقام کرنا لکھنے کے معنی میں اُردو شعراء نے استعمال کیا ہے۔"

سوال [عربی میں سوال] یہ نہیں کہ عَربی لُغت میں ہے کہ نہیں۔ سوال یہ ہے کہ اُردو لُغات میں مِلتا ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اسے اُردو کہیے عَربی سے سند لینا کیا ضرور ہے۔ ہم نے اِلزام کے وزن پر تراش لیا ہے۔ اور اپنی زبان میں ایک نئے لُغت کا اضافہ کیا ہے۔ بلکہ ہم نے تو لوگوں کو اَرقام تک کہتے سُنا ہے۔

"اَرِنی۔ عربی۔ بکسرِ رائے مہملہ۔ مجھے دکھا۔"

اُردو والے تو اَرَنی بولتے ہیں۔ عَربی میں بالکسر ہوگا۔

"اِزدِحام۔ع۔ مذکر۔ (دراصل ازتحام) جماؤ۔ بھیڑ۔ ہجوم .... بجائے اِزدِحام اِژدہام کہنا سخت غلطی ہے۔"

ہمیں اِژدہام کی بابت کچھ نہیں کہنا البتہ یہ عرض کرنا ہے کہ یہ لفظ بیشتر دَ کے فتح سے اور کسرے سے کم تر سُننے میں آتا ہے۔ یعنی اِزدَحام کچھ لوگ خفیف "اے" [ے] سے بھی بولتے ہیں۔

"آزُردگی۔ ف۔ ناراضی۔ ناخوشی۔ یہ لفظ آزُردن سے مشتق ہے آزاردن کا مخفف ہے۔" [ہمارے خیال میں تو ایک لازِم ہے دُوسرا مُتعدّی۔ ایک رنجیدہ ہونا اور دوسرا رنجیدہ کرنا۔ چُناں چہ اَمرِ "رنجیدہ مت کر" کے لیے ہمیشہ میازار آتا ہے، میازار تو دیکھنے میں نہیں آیا]

اُردو میں آزردگی نہ دیکھا نہ سُنا۔ ہم نے تو آزُردگی اور آزُردہ ہی دیکھا

سُنا ہے۔

"اسامی ۔ ع ۔ مؤنث ۔ اِسم کی جمع الجمع ہے ۔ اِس کو الفِ ممدودہ کے ساتھ آسامی کہنا سخت غلطی ہوگی ۔ طرفہ بات ہے کہ بعض آسامی کو واحد قرار دے کر آسامیاں کہتے اور لکھتے ہیں اور بعض نے توثائے شخذ سے بھی لکھا ہے البتہ مندرجۂ ذیل معانی میں اسامی الف مقصورہ سے اردو میں بجائے واحد مستعمل ہے ایسی صورت میں اس کی جمع (اسامیاں) لاتے ہیں ....."

غَلَطی تو جب ہوگی جب ہم آسامی کہیں اور لکھیں گے ۔ آپ نے کوئی مثال پیش نہیں کی نہ آسامی کی اور نہ آثامی کی ۔ مستثنیات پر قیاس کر کے حُکم لگانا مُناسب نہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ اُردو والے تو اِسم کی جمع صِرف اَسمار کو جانتے ہیں ۔ اَسامی تو وہی ہے جس کے لیے آپ نے "یہ بڑی نادہند اسامی ہے" لکھا اور ہم : دِل جوشِ گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اَسامی، جانتے ہیں ۔ اب رہیں اَسامیاں وہ وہی ہیں جو خالی ہوتی اور پُر ہوتی رہتی ہیں، اکثر نااہلوں سے ۔

"اسباب ۔ ع ۔ مذکر ۔ (سَبَب کی جمع) وجوہ ۔ ذریعے نسیم ؎

اسباب نہ جمع کر ضرر کے رکھ پنبہ نہ داغ پر شرر کے

یہ طور واحد بھی مستعمل ہے ۔"

اُردو میں اگرچہ اَسباب کو سَبَب کی جمع کے طَور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے، جیسے : "سَلطَنتِ مُغلیہ کے زَوال کے اَسباب" لیکن عام طور سے ہم اِسے واحد اور بمعنی سامان سمجھتے ہیں،

"اَسباب نہ جمع کر ضَرر کے" میں بھی اور ع اَسباب لُٹا راہ میں یاں ہر سَفَری کا، میں بھی ۔

"اَسْباق ۔ سبق کی جمع کہنا یا لکھنا غلطی ہے ۔ اِس کی جگہ دُرُوس لکھنا چاہیئے ۔"

اُردو میں سَبَق کے ایک معنی اُس حِصّۂ کِتاب کے بھی ہیں جو ایک دن میں

پڑھا جائے ۔ یعنی دُرُوس ۔ اب اگر عربی میں اس کے یہ معنے نہیں ہیں اور اَسباق جمع کے طور پر نہیں لکھتے تو کیا ؟ اُردو میں تو لکھتے ہیں ۔
ہم نے اِسے آفاق ، اَطفال ، احباب کے وزن پر تراشا ہے ۔ آپ اُخلاق کے وزن پر کہہ لیجیے ۔

" اَسپغول ۔ ف ۔ مذکر ۔ (مرکب ہے اسپ اور غول سے ۔ غول ترکی میں کان کو کہتے ہیں ۔ چوں کہ یہ گھوڑے کے کان سے مشابہ ہوتا ہے اس لیے اِس نام سے موسوم ہوا ۔"
وجہ تسمیہ کچھ ہو ، اُردو میں بہ کسرِ اوّل مستعمل ہے اِسپغول بلکہ اِسپ غُول یعنی سین بھی مفتوح ہو گیا ہے ۔

" اَستَر ۔ ف ۔ مذکر ۔ (ضدِ ابرہ) دوہرے یا روئی دار کپڑے کے نیچے کی تہ ۔ اردو میں اَستر کہتے ہیں ۔"
جب اُردو میں اَستر کہتے ہیں تو خواہ مخواہ فارسی تلفظ درج کرنے سے مطلب ؟

" اُسترہ ۔ ف ۔ مذکر ۔ بال مونڈنے کا آلہ ۔ تے پر زبر لگا کر واؤ سے (وُسترہ) کہنا غلط محض ہے ۔"
آپ کو کسی کرخندار سے واسطہ پڑ گیا ہوگا ، اُردو بولنے والا کوئی بھی وُسترہ نہیں بولتا ۔ لیکن اُسترا ضرور بولتے ہیں ۔ اِس لیے تؔ کو بالفتح مان لینا چاہیے ۔ اُسُترہ محض تکلّف ہے ۔"

" اَسرار ۔ ع ۔ مذکر ۔ راز ۔ بھید ۔"
اِس میں کیا غلطی ہے ؟ البتہ اِسے " سِر " کی جمع لکھنا چاہیے تھا ۔ ہمارے ہاں بہ طور واحد آسیب اور سایے کے معنی میں بالکسر مستعمل ہے جیسا کہ نوّاب مرزا شوق کی مثال ہے ۔ ہمیں اِتنا اور عرض کرنا ہے ۔ کہ راز اور بھید کے معنی میں بعض بالکسر بھی بولتے ہیں ۔

" اَسلِحَہ ۔ ع ۔ مذکر ۔ سِلاح کی جمع ۔ لڑائی ہتھیار ۔ اسی طرح اَزمِنَہ ۔۔۔۔ کہنا چاہیئے ۔"

جمع کی بابت تو خدا جانے عام اُردو والا جانتا بھی ہے یا نہیں البتہ ہتھیار کے معنی میں بہ طورِ واحد ضرور استعمال کرتا ہے ۔ آ کے کسرے سے بولنا محض تکلّف ہے ۔ اکثر آ مذکور بولا جاتا ہے یا مائل بہ لے کر کے جیسے ہتھیار ۔ اَزمِنہ بھی کوئی نہیں بولتا سب اَزمَنَہ کہتے ہیں ۔

" اُسلُوب ۔ ع ۔ مذکر ۔ راہ ۔ صورت ۔ طور ۔ اسالیب جمع ۔"

اِس میں کوئی غلطی نہیں بتائی گئی ۔ اغلباً کہنا یہ ہوگا کہ اَسلوب کہنا غلط ہے ، لیکن اُردو میں ہر دو صورت مُروّج ہے ۔

" اشتِعال ۔ ع ۔ بھڑکنا ۔ شُعلہ اٹھنا ۔ اشتعالِ طبع ۔ طبیعت میں برہمی اور جوش پیدا ہونا ۔ اشتعالک اور اِشتعالک دینا نہیں معلوم ہوتا کہ اِس کا اُردو میں کس طرح استعمال ہونے لگا کیوں کہ اِشتعالک فارسی میں بھی کہیں نظر سے نہیں گزرا ۔"

نہ گزرا ہوگا ۔ اُردو میں بھی اب شاذ ہی اِستعمال ہوتا ہے ۔ ماضی میں اُمراؤ جان ادا میں مرزا رُسوا نے استعمال کیا تھا اور عہد حاضر میں گیان چند جین کے کسی مضمون میں نظر سے گزرا اور بس ۔ قیاس یہ ہے کہ اِس میں ک تصغیر بڑھا کر اُردو والے اِسے ہلکے جوش بلکہ تحریک کے معنی میں اِستعمال کرتے تھے ۔

" اَشراف ۔ ع ۔ مذکر ۔ شریف کی جمع ۔ بھلے مانس ۔ عالی نسب ۔ ذی رُتبہ ۔ ذی عزت ۔ اُردو میں بجائے واحد بھی مستعمل ہے ۔"

گویا آپ نے بھی چلن کو تسلیم کر لیا ۔ ویسے اُردو میں شریف کی جمع اب بالاتفاق شُرَفا بولتے اور لکھتے ہیں ۔ اَشراف واحد بھی اب چلن میں نہیں رہا ۔

" اِصطَبل ۔ ی ۔ مذکر ۔ گھوڑوں کے باندھنے کا مکان ۔ طویلہ ۔ یہ لفظ نہ بفتحِ الف صحیح ہے نہ بفتحِ بائے موحدہ ..... "

یونانی نہ مؤلفین کی زبان نہ ہماری ۔ از روئے اَصل کچھ ہو اُردو میں تو

شاعر نے بھی "شاہی اَصطَبَل کی آبرُو" باندھا ہے۔ اِس ضمن میں ہم اِنشا کے قائل ہیں جس کا قول ہے کہ "اُردُو میں کوئی لفظ خِلافِ اَصل مُستعمل ہو تو بھی صحیح اور مُطابِق اصل مُستعمل ہو تو بھی صحیح کہ اُردُو یہی ہے"۔ کسی لفظ کے تلفّظ کا مدار اُردُو میں اُس کے چلن پر ہے۔

"اصلیّت ۔ ع ۔ مُونث ۔ واقعیّت ۔ حقیقت ....."

اِس میں کوئی غَلَطی نہیں بتائی گئی ۔ بات غالباً وہی "ی" کے مُشدّد و مُخفّف ہونے کی ہے ۔ اُردُو میں ہر دو صُورت مُستعمل ہے۔

"اُصُول ۔ ع ۔ (جمع اصل) قاعدے ۔ قانون ... بطور واحد بھی مُستعمل ہے"۔

ہم اَصُل کی جمع نہیں جانتے، واحد بہ معنی قاعدہ جانتے ہیں ۔ جمع کے لیے اِسمِ جِنس کی طرح اِستعمال کرتے ہیں یعنی اِس کے ساتھ فعل جمع لاتے ہیں ۔ خُود آپ نے آتش کے کلام سے جو مثال دی ہے وہ بھی اِس کی تصدیق کرتی ہے ۔ ع :

اُصُولِ دیں جو سُنے گوش نے زباں سے کہا۔

البتّہ یہ بھی مَلحُوظ رہے کہ اُردُو میں بہ فتحِ اوّل بھی مُستعمل ہے یعنی اَصُول۔

"اِضافہ ۔ ع ۔ مذکر ۔ لگاؤ ۔ نسبت ۔ اُردُو میں بہ معنی بیشی و ترقی مُستعمل ہے"۔

آپ نے اُردُو معنی پر کوئی اِعتراض نہیں کیا گویا آپ کو بھی چلن قبول ہے۔ دراَصل اُردُو میں لگاو، نسبت، علاقہ کے معنی میں کوئی نہیں بولتا۔ یہ بہ معنی بیشی اور ترقی ہی مُستعمل ہے"۔

"اُعجُوبَہ ۔ ع ۔ مایُعجَبُ بہ ۔ یعنی وہ چیز جس پر تعجب کیا جائے .... عوام عجوبہ کہتے ہیں جو غلطِ محض ہے۔"

اب یہی "غلطِ محض" دُرُست سمجھا اور بولا جاتا ہے۔ قُدما کی سَنَد کی حیثیت محض تاریخی ہے۔ بلکہ اب تو یہاں تک ہے کہ عجُوبہ سے مرکبِ اضافی بھی بنا لیتے ہیں جیسے عجُوبۂ روزگار، اور کوئی غلط نہیں کہتا۔

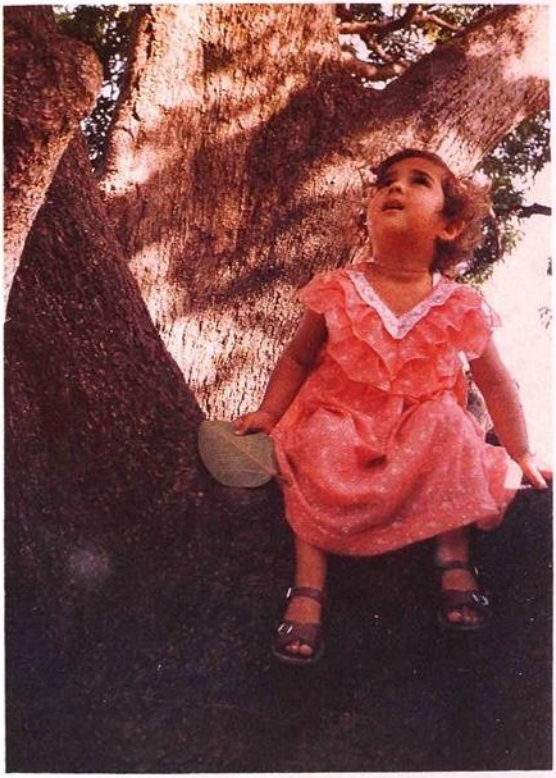

گُڈو کے نام

اگر پدر نہ تواند.....

"اطمنان ۔ ع ۔ مذکر ۔ تسلّی ۔ تشفّی ۔ دل جمعی ۔ نسیم ؎

مدّتیں گزریں کہ اطمینان اُس کا کر دیا نالۂ بے سود نے فریادِ بے تاثیر نے"

معلوم نہیں اِس لفظ کا اندراج کیوں کیا گیا ؟ کیا یہ بتانے کے لیے کہ عربی میں ی سے نہیں ہمزہ سے لکھا جاتا ہے ؟ اگر ایسا ہے تو اس کی تردید خود آپ کا منقولہ شعر کر رہا ہے ۔ یوُں بھی عَرَبی میں ہمزہ الف، واوٗ یا یے پر آتا ہے ۔ اِس لیے یہاں بھی ی کے نقطے ضروری ہو جاتے ہیں۔

"اَعْرابی ۔ ع ۔ صحرانشین عرب ۔ بکسرِ الف کہنا غلط ہے ۔"

لوگ تو اِعرابی ہی کہتے ہیں ۔ بلکہ لوگ تو اَحْمَد کو بھی اِحْمَد [فتح مائل بہ یے ے] مَحْرُوم کو مِحرُوم بولتے ہیں اور کوئی معترض نہیں ہوتا۔ عَرَبی داں اور قرینی حضرات البتہ اَحْمَد وغیرہ بولتے ہیں ۔

"اَعراف ۔ ع ۔ وہ مقام جو جنّت و دوزخ کے درمیان ہے ۔"

عربی میں اَعْراف بولتے ہوں گے اُردُو والے تو اسے مائل بہ ایے [ے] کر کے بولتے ہیں ۔ عربی داں اور قُرّی حضرات البتہ احمد وغیرہ بولتے ہیں

"آغُوش ۔ ف ۔ گود ۔ بغل ۔ کنار ۔ پہلو (مختلف فیہ) "

مثال میں چار شعر داغ و ظفر تانیث کی سَنَد میں اور دو رند و امیر تذکیر کی سَنَد میں دیے گئے ہیں ۔ آخر میں لکھا ہے ؛ مذکر ہی کو ترجیح ہے ۔ سَوال یہ ہے جب ہر طرح کی اَسناد ملتی ہیں تو ترجیح کا سبب ؟ جب آپ نے خُود مُختلِف فیہ لکھ دیا ہے تو پھر مختلف فیہ نہ ماننے کی وجہ ؟

"آفاق ۔ ع ۔ مذکر ۔ (جمع اُفق) اہلِ اُردُو بجائے واحد استعمال کرتے ہیں ۔ "

گویا آپ کو اس چلن پر کوئی اعتراض نہیں ۔

"اُفُق ۔ ع ۔ مذکر ۔ آسمان کا کنارہ ۔ اِس کی جمع آفاق ہے ۔"

اَب سب اُفَق بولتے ہیں ، اُفُق کوئی نہیں کہتا ۔

"اَفواہ ۔ ع ۔ مؤنث ۔ (فُوہ کی جمع جس کے معنی منہ ہیں) مجازاً اُڑتی ہوئی خبر ۔ مشہور بات

جس کی کوئی اصل نہ ہو۔"

غالباً اِس کا اِندراج محض یہ بتانے کے لیے کیا گیا کہ یہ عربی میں فُوہ کی جمع ہے۔ ورنہ اُردو میں تو واحد اور ویسی بات کو کہتے ہیں جیسی آپ نے لکھی ہے۔

"اَفیم ۔ ٗ ۔ مؤنث ۔ تریاک ...."

اِس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا گویا اقرار کیا گیا ہے کہ یہ خالص اُردو کا لفظ ہے اور کہیں باہر سے نہیں آیا۔ چلیے، نادانستہ سہی، اُردو کی آزاد حیثیت کا اِعتراف تو کیا گیا۔

"اَفیون (ابیون کا مُعرّب جس کے معنی یونانی زبان میں گہری نیند لانے والی چیز کے ہیں۔"

اِس اِندراج کا کوئی جواز نہیں۔

"اَقدام ۔ قَدَم کی جمع ۔ جہلہ قُدُوم کو قدم کی جمع سمجھتے ہیں۔ حال آں کہ قُدُوم کے معنی کسی جگہ سے آنا۔ سفر سے واپس آنا کے ہیں۔"

کیا کریں صاحب! زمانہ ہی اِن کا ہے۔ جُہلاً [جہلہ دُرست سہی، جُہلاً مشہور ہے) ہی کتابیں لکھتے ہیں، وہی پڑھاتے ہیں اور جہالت پھیلاتے ہیں۔ چُناں چہ ہم نے اپنے بچپن میں دَرسی کتابوں میں قُدُوم جمعِ قَدَم پڑھی ہے۔ بڑے ہوئے تو قُدُومِ میمنت لزُوم بھی پڑھا۔ ویسے یہ اِنتقالِ معنی یا معنوی تبدیلی کے ذیل میں آتا ہے۔ اُردو والے عموماً اِقدام قدم اُٹھانے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں [اور یہ اَقدام سے اِلتباس ہے۔] اور قُدُوم بل کہ قدُوم کو قدَم کی جمع کے معنی میں۔

"اَقرِباء ۔ ع ۔ قریب کی جمع ۔ اَعِزّہ ۔ بھائی بند ۔ بضمِ رائے مہملہ (اقرُباء) کہنا سخت غلطی ہے۔"

اَقرِبا کبھی سُننے میں نہیں آیا۔ اَقرُبا بل کہ اِقرُبا [پے سے، جیسے: ایک کھیل ہے اورنگِ سُلیماں مرے نزدیک ہیں] ضرور سُنا ہے۔ آخری

ہمزہ تو اُردو میں بولا ہی نہیں جاتا۔ اِس لیے اکثر حذف کر دیا جاتا ہے۔
چُناں چہ اِقربا تجربہ کے وزن پر سُننے میں آتا ہے۔ داغؔ کا مصرع یاد
کیجیے: اِقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر۔

"اُقلیدِس۔ مرکب ہے اُقلی بمعنی کلید اور دِس بمعنی ہَندَسہ سے، یعنی کلیدِ ہندسہ...
بعض نے (بضمِ دال) اُقلیدُس بھی کہا ہے۔"

اَصلاً تو معلوم نہیں کیا ہے؟ لیکن اُردو میں تو اُقلیدَس [دمز بور] ضرور
سُنا ہے۔ دِ بالکسر کوئی نہیں بولتا۔ ہَندسہ کو بھی ہِندسہ بولتے ہیں۔

"اِقلیم۔ ع۔ مؤنث۔ (اَقالیم جمع ہے)....."

اَقالیم جمع تو خیر دُرست ہے [اکثر دُرست بولا جاتا ہے۔]، لیکن
اِقلیم کوئی نہیں کہتا سب اُقلیم کہتے ہیں۔

"اِکسیر۔ ع۔ مؤنث۔ کیمیا۔"

کسی غلطی کی طرف اِشارہ نہیں کیا گیا۔ ویسے یہ لفظ اُکسیر بولا جاتا ہے نہ
کہ اِکسیر۔

"الاچی۔ ہ۔ معروف۔ الایچی کہنا غلط ہے...."

اَب کوئی اِلاچی کہے تو اُسے گنوار سمجھا جائے گا۔

"اِلتماس۔ ع۔ عرض۔ گزارش (مختلف فیہ)...."

جب جنس میں کوئی اختلاف نہیں تو درجِ کتاب کرنے کا سبب غالباً
تلفّظ ہے جو مذکور نہیں۔ ویسے اَب کوئی اِلتماس نہیں کہتا بلکہ اِلتَماس
یات کو مائل بہ تی کر کے "اِلتے ماس" کہتے ہیں۔

"اَلقاب۔ ع۔ مذکر (لقب کی جمع)...."

لَقَب کی جمع ہو گی لیکن اب تو آداب کی طرح واحد ہی مُستعمل ہے۔ ویسے
درجِ کتاب کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

"اَلوِداع۔ ع۔ مؤنث۔ رخصت ... الوداع یا وداع بکسر واؤ کہنا غلط ہے۔

تعجب ہے بعض اہل علم نے رَمَضَان کو بسکون میم نظم کیا ہے۔"

اصل سے بحث نہیں لیکن اُردُو میں سب وِدَاع اور اَلوِداع کہتے ہیں۔
رَمَضَان کو جب رَمضَان بولتے ہیں تو لکھنے میں کیا قباحت ہے؟
اِسے تسکینُ الاوسط کہیے۔

"لِاملا رسم الخط کے موافق لکھنا۔ مختلف فیہ ۔۔۔ ۔ صرف اِنشا مؤنث لکھا جاتا ہے۔ باقی اِفعال کے اور مصادِر مذکر کہے جاتے ہیں [؟] جیسے ایفا۔ ایما وغیرہ۔ لہٰذا ایجاد کو مؤنث کہنا درست نہیں۔"

فی الوقت نہ بے ربطیِ عبارت سے غَرَض ہے نہ املا و انشا سے بحث۔
ایجاد کے متعلق عرض کرنا ہے کہ اب اِسے کوئی مُذکر نہیں بولتا۔

"اَملاک ۔ ع ۔ (مِلک کی جمع) جائداد ۔۔۔"

اُردُو والے اِمُلاک کہتے ہیں۔ اگر اِمُلاک مصدر ہے تو اسے انتقالِ مُصوِتہ کی مثال سمجھیے۔

"اَمُن ۔ ع ۔ مذکر ۔ پناہ ۔ حفاظت کرنا۔"

کوئی غَلَطی نہیں بتائی گئی۔ اس میں کوئی اختلاف بھی نہیں۔ غالباً میم کے سکوُن پر زور دینا مقصوُد ہے۔ اگرچہ عام طور سے اَمُن ہی لکھا جاتا ہے لیکن عام گفتگوُ میں اَمَن بولتے ہیں۔ ہمارے دَور کا ایک مشہور نام گوپی ناتھ اَمَن ہے۔ [تھوڑی دیر کے لیے میر اَمَن کو بھوُل جائیے] ہم یہ مشورہ تو دیتے سے رہے کہ اُردُو چوُں کہ ابتدائی اور آخری مصمتی خوشوں کو قبوُل نہیں کرتی اِس لیے اُردُو والے دو ساکن مصمتوں کے درمیان ایک مُصوِتہ ڈال کر بولتے ہیں، آپ بھی اِسے تسلیم کر لیجیے۔ اِنشا نے ایک سَو اَسّی سال پہلے یہی مشورہ دیا تھا لیکن مانا کس نے؟ بولتے سب غَلَط رہے، لکھتے اَب بھی مطابقِ اصل ہیں۔ تاہم چلَن جابر ہے اور ہمیں یقین ہے کہ جلد یا بہ دیر اپنے آپ کو منوالے گا۔

ہمیں یہ بھی عرض کرنا ہے کہ پناہ اور حفاظت کے معنی میں ہم اَمان بولتے ہیں، اَمن صرف سکون اور شانتی کے معنی میں مستعمل ہے۔

"اُمور۔ ع۔ (امر کی جمع) کام۔"

بجا، لیکن اُمور بیشتر اور اُمُور کم تر مستعمل ہے۔

"اَنانیت۔ ع۔ بعض نے اَنا سے اَنانیّت کہا ہے) یہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ اَنا دراصل (اَنان) ہے۔ اِس سے اَنانیّت ہی ہونا چاہیئے۔ اُردو میں بھی اَنانیّت۔ خودی، پندار، غرور کے معنی میں مُستعمل ہے....."

یہ تاویل مسموع نہیں۔ اَنان کہیں نہیں آیا۔ نہ ہم نے پڑھا اور نہ ہی غالباً عربی خوانوں نے پڑھا ہوگا۔ اَنا ضمیر ہے۔ معنی ہوئے میں۔ اگر یہ اَنان ہوتا تو منصور اَنا الحق کی جگہ اَنانُ الحق کہتا اور فانی یہ شعر اِس طرح نہ کہتے: ؎

تو بھی مضراب جنوں سازِ انا لیلیٰ چھیڑ   ہائے وہ شورِ انا القیس کہ محمل سے اُٹھا

ویسے ہم چلن کے قائل ہیں لہٰذا انانیّت کے مُنکر نہیں البتہ یہ عرض کر دیں کہ بہ تخفیفِ ی بھی مُستعمل ہے۔

"انتقاد۔ ع۔ مذکر۔ نکتہ چینی (ضدِ استحسان) کسی مضمون یا کتاب کے محاسن و معائب بتانا۔ اِس کی جگہ نقد بھی صحیح ہے لیکن تنقید (ترسیل کی طرح) نہیں آیا ہے۔ اس لئے تنقید بجائے نقد و انتقاد کہنا غلطی ہے۔"

ویسے تو اس مشورے پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔ مگر پھر بھی۔ ممکن ہے عربی میں کہیں نہ آیا ہو اُردو میں ہم ہزار جگہ دکھا سکتے ہیں۔ ہمارے یہاں تنقید [تنقید کیا ہے]، نقد [نقدِ میر] اور انتقاد [ذوق سوانح اور انتقاد] سب مُستعمل ہیں۔

"اندازاً۔ غلط ہے۔ عربی مداں اصحاب نے اندازہ سے اندازاً بنا لیا ہے۔ اِس کی جگہ تخمیناً کا لفظ موجود ہے جو صحیح ہے۔ اندازاً کی طرح (نمونتہً) بھی کہتے اور لکھتے ہیں۔ تنوین عربی

الفاظ پر آتی ہے نہ کہ فارسی الفاظ پر۔"

عَرَبی قواعد کے فارسی پر اطلاق کی بات ہم کسی اور موقعے پر کریں گے۔ فی الوقت تو صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اندازاً اور نمونتہً ہم نے عربی داں حضرات کی زبان سے بھی سُنے ہیں اور اُن کے قلم سے لکھے بھی دیکھے ہیں۔ یہ اِس قدر چلن پکڑ چکے ہیں کہ لُغات تک میں آ گئے ہیں اِس لیے فی الوقت اُردُو والوں کا تصرُّف ہی سمجھ کر مان لیجیے۔

اَنْدَلُس۔ ع۔ (دراصل وَنْدَلُس ہے) اسپین کا اِسلامی نام۔"

ہم نے ثِقات کی زبان سے اُنْدُلُس بھی سُنا ہے بلکہ یہی سُنا ہے۔ اَنْدَلُس شاید ہی کوئی بولتا ہو۔

"اِنْسَانِیّت۔ ع۔ مونث۔ آدمیّت۔ صفاتِ انسانی۔۔۔۔"

اِس میں ی مُخفّف اور مُشدّد ہر دو صورت مُستَعمل ہے۔

"اَوْبَاش۔ ع۔ (محیط المحیط، صُراح اور تاج العروس نے وَبْش اور بَوْش بالفتح و بالضم کی جمع لکھی ہے) اور منتخب نے صرف (بَوْش) کی خلاف قیاس جمع بتائی ہے۔ بدکردار، آوارہ مزاج۔۔۔۔ اَوباش واحد کی جگہ بھی مُستعمل ہے۔"

واحد ہی مُستَعمل ہے۔ ہم نے اَوُباش بھی سُنا ہے۔

"اَولاد۔ ع۔ (ولد کی جمع) بیٹا بیٹی۔ بطور واحد۔ تانیث مُستعمل ہے۔"

اُردُو میں واحد مؤنث ہی مُستَعمل ہے۔

"اَولیاء۔ (جمع ولی) صاحب۔ خداوند۔ اہل اللہ۔ اولیا کا بطور واحد کسی شاعر نے استعمال نہیں کیا۔ لہٰذا بجائے واحد استعمال کرنے سے احتراز چاہیے جیسے حضرت نظام الدین اولیاء۔"

کسی شاعر کے بطور واحد استعمال نہ کرنے کی بھی ایک ہی رہی یہ جوہر سوز کا شعر:

مجھے چھیڑتا ہے کہ تو پارسا ہے — میاں خان تو بھی بڑا اولیا ہے

آپ نے سند میں دیا ہے، کیا ہے ؟ کیا میر سوز شاعر نہیں تھے ؟ اِس سے تو اولیا کے ایک اور ہی معنی سمجھ میں آتے ہیں۔ رہی حضرت نظام الدین اَولیا کی بات، تو اَب اگر کسی میں قدرت ہو تو وہ صدیوں سے رائج اِس نام کو بدل دے، کم از کم ہم میں تو یہ قُدرت نہیں ہے۔

"اَہایاں۔ غلط ہے۔ اہل کی جمع اہال۔ آہال ہے۔"

ہم نے اہل کی جمع اہالی سنی تھی اَور اُسی پر فارسی والے اَن کا اِضافہ کر کے مزید جمع بنا لیتے ہیں۔

"اَہلِ ہُنُود۔ ہندی کی جمع (ہنود) ہے۔ اہل کے ساتھ ہنود کہنا بے معنی اور غلط ہے مگر اہلِ اِسلام صحیح ہے۔"

ہم تو جانتے تھے کہ ہُنُود ہندوُ کی جمع ہے۔ مولانا حسرت موہانی جیل میں اپنے ہندوُ ساتھیوں کو اہلِ ہنوُد کہا کرتے تھے۔ کہیں لکھا بھی ہو تو ہمیں اِس کا عِلم نہیں۔ لُغوئین کی یہ بات ہمیں سمجھ میں نہیں آئی کہ اہلِ اِسلام صحیح ہے اور اہلِ ہنوُد غلط۔ ہندوُ کا اِطلاق اُس شخص پر ہوتا ہے جو سناتن دھرم [جو غلطی سے ہندوُ دھرم مشہوُر ہو گیا ہے] کو مانتا ہو جیسے مُسلمان اُسے کہیں گے جو اسلام کا پیرو ہو۔ اب اگر اہلِ اِسلام ہو سکتا ہے تو اہلِ ہنوُد بھی ہو سکتا ہے۔ ویسے ہنوُد خود خلافِ قیاس جمع معلوم ہوتی ہے۔

"اہلیت۔ ع۔ مؤنث۔ قابلیت.....

اَہلیّہ۔ مؤنث (اردو فارسی میں) جورو "

ہر دو الفاظ مُخفف بھی مُستعمل ہیں۔ انشا کا شعر:

جُھک کے اَہلیہ زاہد نے کہا بوسے کے وقت .....

آپ نے خُود سند میں دے دیا ہے۔ سودا کا مصرع ہم سے سُن لیجیے ع:

ضاحک کی اَہلیہ نے ڈھول اَپنے گھر دھرایا

" اَہم ۔ع ۔ افعل التفضیل کا صیغہ ۔ مشکل تر ۔ بہت مشکل ۔ اُردو میں بلا تشدید مُستعمل ہے ۔ بعض اہم کے معنی لے کر نہایت کا لفظ بڑھا دیتے ہیں یعنی نہایت اہم کام ہے ..."

مہم کے بلا تشدید چلن کا خُود آپ کو اعتراف ہے ۔ باقی رہی نہایت بڑھا دینے والی بات تو وہ اِس لیے کہ اہم کے معنی اَب مُشکل کوئی نہیں لیتا بلکہ ضروری یا IMPORTANT کے معنی لے کر اُس پر نہایت کا اضافہ کیا جاتا ہے ۔ مطلب یہ کہ یہ نہایت ضروری کام ہے ۔

" ایال ۔ ا ۔ مؤنث ۔ بال ۔ گھوڑے کی گردن کے بڑے بڑے بال ۔ صحیح لفظ یال تُرکی ہے جو فارسی میں بھی مستعمل ہے ۔ اُردو میں اہلِ تحقیق یال ہی کہتے ہیں ۔"

اَب وہ اہلِ تحقیق نہیں رہے ۔ لہٰذا سب ایال لکھتے ہیں ۔

" ایزاد ۔ زیادہ کے معنی میں بعض شعرا نے استعمال کیا ہے .... چوں کہ یہ لفظ بالکل غلط ہے اِس لیے اس کو ترک کر دینا چاہیے ۔ اِس کے عوض (ازدیاد) صحیح لفظ کا استعمال اولیٰ ہے ۔"

آپ ایزاد کو ترک فرما دیجیے ہمیں کوئی اعتراض نہیں ۔ البتہ آپ کا مُجوزہ صحیح لفظ ازدیاد آج نہ کوئی بولتا ہے اور نہ لکھتا ہے ۔

" اِیمن ۔ بے خوف ۔ محفوظ ۔ آمِن کا امالہ ہے ۔ اِس کو فارسیوں نے استعمال کیا ہے ۔ اِس معنی میں اَیمن .... کہنا غلط ہے ۔ اور اَیمَن ۔ ع ۔ دہنی طرف ۔ قسم اور وادیٔ اَیمن جو طورِ سینا میں واقع ہے " [۹۰]

اِیمَن تو کہتے ہیں اِیمن کوئی نہیں بولتا ۔ اَیمَن البتہ بولا جاتا ہے اور وہ وادیٔ اَیمَن کے التباس میں ۔ زبانوں میں اِس قِسم کی بے شمار تبدیلیاں ملتی ہیں جو کسی مُماثل لفظ سے اِلتباس یا اُس کے قیاس پر رائج ہو گئیں ۔

" بابُر ۔ ت ۔ شیر ..... بضم بائے موحدہ صحیح ہے ۔"

بؔ بالضم تُرکی میں ہوگا ۔ ہم تو بابَر کہتے ہیں اور یہی کہیں گے ۔

"بابِل - ع - سلطنتِ اشُور (سیریا) کا قدیم پائے تخت .... دراصل یہ عبرانی (بابِ ایل) ہے یعنی درِ خدا، آستانۂ خدا ..... شعراء نے بضمِ با و بکسرِ با دونوں طرح استعمال کیا ہے۔ لیکن بکسرِ با صحیح ہے ....."

مثالیں تین شعرا سے دی گئی ہیں۔ سعدی، وقاآنی، فارسی اور محسنؔ اُردو۔ سعدی، وقاآنی نے تبدّل توسّل کے وزن پر بابُل نظم کیا ہے اور محسنؔ نے باطِل کے ساتھ بابِل۔ جب دونوں طرح مستعمل ہے تو ایک کو صحیح اور دوسرے کو غلط قرار دینا مُناسب نہیں۔ ہمارے یہاں بابُل بضمِ با کا رواج محض فارسی کی سَند پر نہیں بل کہ ایک خالص دیسی لفظ بابُل کی موجودگی بھی ہے۔ زبانوں میں غیر زبانوں کے دخیل الفاظ کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے اُس میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنی زبان میں پہلے سے موجود کسی لفظ سے مُماثلت یا اشتراک کی بِنا پر بیرونی لفظ کو اُس کا تلفّظ بخش دیا جاتا ہے۔ لِسانیات میں اِس قسم کی تبدیلیوں کا ذِکر ملتا ہے۔

"بادشاہت - عوام بادشاہی کی جگہ کہتے ہیں۔"

مقصد کیا ہے؟ کیا چھوڑ دیں؟

"باکرہ - اہلِ اُردو، زنِ دوشیزہ۔ کُواری لڑکی کو کہتے ہیں۔ عربی میں اِس کی جگہ (بِکر) ہے اور (اَبکار) جمع۔"

کیا آپ اُردو۔ عربی لُغت لکھ رہے ہیں؟ عربی میں کچھ ہو اُردو والے دوشیزہ کے لیے بِکر نہیں باکرہ بولتے ہیں۔ مَلحوظ رہے کہ ہم نے اِسے بہ فتحِ را سُنا ہے، بالکسر نہیں۔

"بالراست - راست فارسی لفظ ہے۔ الف لام جو عربی الفاظ کے لیے مخصوص ہے۔ فارسی لفظ پر کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔ اسی طرح قریب المرگ وغیرہ غلط محض ہے۔"

بالراست ہم نے سُنا پڑھا نہیں۔ [ابھی پرسوں شاعر میں ایک مضمون

"اُردو اَفسانے کی داستانی فضا" میں یہ لفظ پہلی بار نظر سے گزرا]
لیکن قریب المرگ سُنا بھی ہے اور پڑھا بھی ہے۔ یہ اُردو میں جڑ پکڑ
چُکا ہے اور اب اِس کی بیخ کنی مُمکن نہیں۔ رہی عربی الف لام کے
فارسی لفظوں پر چسپاں ہونے کی بات، تو یہ بحث آیندہ حسب موقع کی
جائے گی۔

"بالمُشافہہ۔ ع۔ مُشافہہ (بروزن مُفاعلہ) رُوبرو۔ دوبدو۔ آمنے سامنے۔ اسی
طرح بالمواجہہ صحیح ہے (مُشافہ۔ مُواجہ) مُفاعل کے وزن پر بولتے اور لکھتے ہیں یہ کیوں کر
صحیح ہوسکتا ہے۔ تعجب ہے کہ صاحبِ فرہنگ آصفیہ نے بھی (بالمشافہ۔ بالمواجہ)
لکھ دیا ہے۔"

اگر صاحبِ فرہنگ نے لکھ دیا ہے تو اِن کی شُہرت کا اندازا کر لیجیے۔ اکثر
بالمُشافہ [بِل مُشافا] سننے میں آیا ہے۔ کُچھ لوگ جو بالمُشافہہ بولتے
ہیں وہ بھی فَ کے فتحہ کو مائل بہ ہی کر کے بولتے ہیں۔ لکھنے کے باب
میں ایک لطیفہ سُن لیجیے۔ جب "انشا کے حریف و حلیف" چھپی تو ہم
نے اپنے ایک بہت پڑھے لکھے کرم فرما سے اُس پر تبصرہ کرنے کی گزارش
کی۔ انھوں نے تبصرہ کرنے کی ہامی بھر لی اور ساتھ ہی کوئی رعایت رَوا
نہ رکھنے کی دھمکی بھی دے ڈالی۔ تبصرہ تو خیر انھوں نے نہ کیا لیکن اپنی
دانست میں کُچھ غلطیوں کی فہرست بنا کر بھیج دی۔ اُس میں ایک لفظ
بالمُشافہہ بھی تھا جس کے لیے انھوں نے لکھا کہ یہ لفظ بالمُشافہَ ہے۔
ہمیں وضاحت کرنی پڑی کہ یہ بھی صحیح ہے آپ تحقیق کر لیں۔ تو جناب
یہ ہے چلن کا حال!

"باہم دیگر۔ غلط ہے۔ اس لئے کہ (باہم) کے معنی خود "ایک دوسرے کے ساتھ ہیں"۔
دُرست! لیکن لوگ لکھتے ہیں اِس کا کیا کریں؟ دراصل ایسی غلطیاں
غیر شعوری طور پر رائج ہو جاتی ہیں، اور جب ایک بار رائج ہو جائیں تو

ترتیب

۱-	عرض و معذرت	۹
۲-	ابتدائیہ	۱۷
۳-	متن	۲۷
۴-	ضمیمہ ۱	۱۴۰

نہ کوئی اُن کے غلط صحیح ہونے پر غور کرنے کا روادار ہوتا ہے نہ اصلاح کا۔
باہم کے معنی ایک دوسرے کے ساتھ کے ہیں اور ہم عام لوگ غور نہیں کرتے لیکن آپ تو عالم ہیں۔ آپ نے باکرہ کے معنی میں "زنِ دوشیزہ" کیا سمجھ کر لکھا؟

"بَتّ۔ ع۔ کانٹا۔ جس فقرے پر بَتّ کی جگہ یہ علامت (ــــ) لگائی جاتی ہے اس سے مُراد ہوتی ہے کہ فقرہ ختم ہو گیا۔"

اِس سلسلے میں ہمیں دو باتیں عرض کرنی ہیں۔ ایک یہ کہ (ــــ) کے نام سے اُردو میں اکثر لوگ واقف نہیں ہیں لیکن جو واقف ہیں وہ اسے بَت بولتے ہیں نہ کہ بَتّ۔ اُردو آخری حرُوف کی تشدید کو قبول نہیں کرتی۔ اِس لیے کم و بیش تمام مُشدّد الآخر الفاظ مُخفّف ہو گئے ہیں۔ دوسری یہ کہ قدُما بے شک نئے فِقرے کے پہلے لفظ پر بت لگا دیتے تھے۔ مطلب یہ ہوتا تھا کہ یہاں سے نیا فِقرہ شروع ہو گیا۔ لٰہذا اردو میں اِسے علامتِ امتیاز کہیے کہ یہ نہ صِرف فقرے کے خاتمے کے بعد لگایا جاتا تھا بلکہ ایک قول کو دوسرے سے مُتمائز کرنے کے لیے بھی استعمال ہُوا ہے۔ نام کو عام الفاظ سے مُتمائز کرنے کے لیے بھی اِس کا اِستعمال ہوتا رہا ہے اور شعرا کے تخلص پر تو ــــ لگانا اتنا عام ہے کہ ہر عالِم و عامی اِس سے واقِف ہے۔ چناں چہ ہم نے اکثر لوگوں کو اِسے علامتِ تخلُّص کہتے سُنا ہے۔

"بِراز۔ ع۔ مذکر۔ فُضلہ۔ بفتحِ اوّل غلط ہے۔"
اُردو میں بکسرِ اوّل غلط اور بفتحِ اوّل دُرُست کر اسی طرح رائج ہے۔

"بَرَکت۔ ع۔ مؤنث۔ اِسی طرح حَرَکت (بفتحتین) ہے۔ ذوق ؎
چل درِ میکدہ تک ہے حرکت میں برکت
نیز عَظَمت، شَفَقَت، سَبَقَت اور مَلَکہ، نَفَقہ، دَرَجہ، صَدَقہ، عَمَلہ، غَلَبہ (بفتحتین)

آئے ہیں ۔ اہلِ اردو بفتحِ اوّل وسکونِ ثانی کہتے ہیں، اور نظم کرتے ہیں ۔"

بفتحِ اوّل وسکونِ ثانی بھی نظم کرتے ہیں ۔ ذوقؔ کا مصرع آپ نے خود نقل کر دیا ہے جس میں حَرَکت اور بَرَکت نظم ہُوا ہے ۔ لیکن یہ کم تر ہے ۔ اکثر بہ سکونِ ثانی ہی کہتے اور نظم کرتے ہیں ۔ نیز عَظَمَت، شَفَقَت، سَبَقَت اور نَفَقَہ، دَرَجَہ، صَدَقَہ، عَمَلَہ، غَلَبَہ کو اب نہ کوئی بفتحتین بولتا ہے اور نہ لکھتا ہے ۔ یہ سب بہ تسکین اُلاوسط ہی رائج ہیں ۔ مَلَکَہ البتہ مُستثنیٰ ہے ۔

"بَرَہنَہ / بَرَہْنَہ } ف ۔ عریاں ۔ ننگا ۔ بفتح ہا و ہا دبفتحتین دونوں طرح آیا ہے ۔"

پھر درجِ کتاب کرنے سے مُدّعا ؟

"بِسمل ۔ مذبوح ۔ مجروح ۔ گھایل ۔ بمعنی ذبح غلط ہے ۔ اِس لیے دم بسمِل ۔ وقتِ بِسمِل کہنا غلطی ہے اور نیم بِسمِل بھی کہنا غلط ہے ۔"

نیم بِسمِل اِس قدر مشہور ہو چکا ہے کہ اب اِسے زبان سے خارج کرنا ناممکن ہے ۔ اِتفاقاً ۔ میر ماشاء اللہ خان مصدرؔ کا ایک فارسی شعر یاد آگیا، ملاحظہ ہو:

نیم بِسمِل گذاشت صیّادم　　وائے بر کارِ ناتمامِ کسے

"بِشارت / بُشارت } ع ۔ مؤنث ۔ خوش خبری ۔ نوید ۔ مژدہ ۔ بفتح اول غلط ہے ۔"

اُردو میں بِشارت و بَشارت ہر دو صورت رائج ہے البتہ بُشارت بالضّم سُننے میں نہیں آیا ۔

"بِضاعت ۔ ع ۔ مؤنث ۔ سرمایہ ۔ پونجی ۔ بفتح اول صحیح نہیں ۔"

اَب بکسرِ اوّل کوئی نہیں بولتا ۔ بفتحِ اوّل ہی مستعمل ہے ۔

"بَغارہ ۔ ف ۔ شگاف ۔ سوراخ ۔ رخنہ ۔ گھاؤ ۔ عوام بالضّم کہتے ہیں ۔"

ہم نے بالضّم کبھی نہیں سُنا ۔

"بغداد": [کوئی غلطی نہیں بتائی گئی البتہ اس کی تاریخی تفصیل پر ۱۲ سطریں ضائع

کی گئی ہیں جس کی ضرورت نہیں تھی -]

"بَقّال - ع - ترہ فروش - سبزی فروش - کُنجڑا - بڈّال - غلّہ فروش - اردو میں بڈّال کی جگہ (بَقّال) کہتے ہیں۔"

درج کتاب کرنے کا مقصد ؟ البتہ اُردُو میں ہم نے بَقال (ق غیر مُشدّد) سُنا ہے۔

"بَقَایا - ع - مؤنث (بقیۃ کی جمع) بقیۃ مذکر ..... اور بقایا کا لفظ بطورِ واحد استعمال ہوتا ہے۔"

اُردُو میں بقیہ اور بَقایا دونوں بہ طورِ واحِد مُستعمل ہیں اور دونوں مُذکر۔ ع:

چھین لیں گے ہم بقیہ حصّۂ کشمیر بھی (مولانا انور صابری)

"بُکارت - ع - دوشیزگی - کوارپن - کُوارپت - بالکسر غلط ہے -"

بالکسر بھی مُستعمل ہے۔

"بَلْخ - ف - ایک شہر کا نام - بفتحتین کہنا غلط ہے۔"

اگرچہ امیر خُسرو اور انشا نے سُلُخ کے قافیے میں باندھا ہے تاہم ایک مثل ہے جو شکھ چھجّو کے چوبارے نہ بَلَخ نہ بُخارے - اور سب بَلَخ کہتے ہیں۔

"بُلبُل - ع - مُختلف فیہ -"

جب مُختلف فیہ آپ کو تسلیم ہے تو درجِ اَغلاط نہیں کرنا تھا۔ ویسے آج کل عمُوماً مؤنث ہی بولا جاتا ہے۔

"بَلوَہ - دراصل (بَلوٰی) عربی ہے - آزمائش - تکلیف - مصیبت - اردو میں ہنگامہ - دنگا - فساد - غدر - شوروشغب - بھیڑ - ہجوم - کھلبلی - ہلچل ..... افسوس ہے کہ صاحب فرہنگ آصفیہ نے (بلوۂ عام) لکھ دیا ہے حال آں کہ (بلوہ) حلوہ کی طرح غلط محض ہے - (بلوے - حلوے) اور اردو میں بلوا، حلوا صحیح -"

عربی معنی میں کوئی استعمال نہیں کرتا۔ اُردُو میں ہنگامہ، دنگا فساد..... ہی کے معنی میں مُستعمل ہے۔ رہی مُرکّبِ اضافی کی بات تو جب آپ ایسے عُلَمَا

اِسے بَلُوَہ لکھیں گے تو ترکیب کی صورت میں ہ پر ہمزہ ہی آئے گا۔

"بَندوق ۔ دراصل بُندُوق [؟] بمعنی غلولہ پھر آلہ معروف کو کہنے لگے [یہ بھی لسانی تبدیلیوں کی ایک قسم ہے ۔ کبھی مظروف کہ کر ظَرف مُراد لیتے ہیں اَور کبھی برعکس اور کبھی جُز پر کُل کا اِطلاق ہو جایا کرتا ہے ۔] (بنادِیق جمع) اُردو میں بندوق بالفتح اور اس کی جمع (بنادِیق) بنا لی گئی ۔"

ایک عام لُغت میں اِس قسم کی تفصیل گوارا ہو سکتی ہے مخصوص کتابوں میں نہیں۔ جب اُردو میں رائج تلفّظ، معنی، جمع سب سے آپ کو اتفاق ہے تو اسے درج کتاب نہیں کرنا چاہیے تھا۔

"بُوالہوس ۔ بُو مخففِ ابو ۔ باپ ۔ صاحب اور ہوس فارسی لفظ ہے ۔ الف لام تعریفی عربی الفاظ پر آتا ہے جیسے بوالعجب وغیرہ [؟] بوالہوس اصل میں بُلہوس فارسی ہے ۔ بُل بمعنیٰ بسیار یعنی بہت ہوس والا ۔"

ہم تاویلوں کے قائل نہیں، حقیقت پر نظر رکھتے ہیں ۔ دراصل اِس قِسم کے الفاظ کے اِستعمال و مُعانی میں اِس قدر خلفشار ہے کہ ایک بولنے والا اُلجھن میں پڑ جاتا ہے ۔ اَصلیت وہی ہے جو ہم پیچھے کہیں بیان کر آئے ہیں کہ دخیل یا مُستعار الفاظ پر اہلِ زبان اپنی ہی زبان میں مُروّج مُختلف رڈیوں پر قیاس کر کے اَلفاظ و تراکیب تراش لیا کرتے ہیں [غلط یا صحیح سے قطعِ نظر] اَور پھر وہ الفاظ و تراکیب اُس زبان میں مُستحکم ہو جاتے ہیں اَور لاکھ کوشش کرنے پر بھی اُنھیں بدلا نہیں جا سکتا۔ یہی حال بُوالہوس کا ہے ۔ اُوپر مثال میں بُوالعجب کا لفظ پیش کیا گیا ہے ۔ آج بعض عُلَما اِس میں بھی پہلے جُز یعنی بُل کو فارسی مانتے ہیں اَور بُل عجب لکھنے پر اِصرار کرتے ہیں ۔ ہم سوائے اِس کے کیا کہہ سکتے ہیں کہ : ؎

شُد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیر ہا ۔

ویسے اگر آپ کو تاویل و تعبیر میں دلچسپی ہے تو بُوالہوس کی ہم بھی ایک

تعبیر پیش کریں؟ اُوپر بُو کو ابُو کا مخفف بمعنی باپ اور صاحب بتایا گیا ہے۔
اَب ہَوَس پر اِس کا اِطلاق کیجیے۔ معنی ہوں گے صاحبِ ہَوَس یعنی حریص۔
اِس طرح بُوالہوس اور بُل ہَوَس کے معنی میں کوئی خاص فرق نہیں رہ جاتا۔
خیر یہ تو ایک جُملۂ معترضہ تھا۔ ہمیں تو صِرف یہ عرض کرنا ہے کہ جو بزرگ
عہدِ حاضر میں وقت اور چلن کے دھارے کو موڑنے میں کوشاں ہیں
ہمیں اُن کی کامیابی میں شُبہہ ہے۔ [آیندہ ہم اُن اَلفاظ کو نظر انداز کرتے
چلیں گے جن میں کوئی غَلَطی نہیں بتائی گئی محض مُختلف فیہ ہونے یا کسی
خاص صورت میں مُروّج ہونے کی اطلاع دی گئی ہے۔]

"بَول۔ ع۔ مذکر۔ پیشاب۔ اِس معنی میں بالضم غلط ہے۔"
عَرَبی ترکیب [سلسلۃ البَول] میں تو ٹھیک ہے ورنہ مُجرّد بُول یا فارسی ترکیب
بول و براز کی صورت میں بُول [بہ واوِ مجہول] ہی بولا جاتا ہے۔

"بَہُت۔ ہ۔ زیادہ نہایت۔ کثیر۔ اِسی سے بَہُتات ہے۔ بُہتات کہنا صحیح نہیں۔"
آج سب بُہتات ہی کہتے ہیں، بَہُتات (بہوتات) کوئی نہیں کہتا بلکہ ہندی
والوں کو تو ہم نے بُہتایت کہتے بھی سُنا ہے۔ اُن کی اپنی زبان کا لفظ ہے
جیسے چاہیں اِستعمال کریں۔ البتہ یہاں "ات" کے اِضافے پر آپ نے
اعتراض نہیں فرمایا؟

"بُہلُول۔ ع۔ (۱) بڑا ہنسنے والا (۲) فیاض و شریف (۳) وہ سردار جو فضائل سے مُتّصِف
ہو....."

اب کوئی بُہلُول نہیں کہتا۔ بَہلُول مشہُور ہے۔

"بیگم۔ ت۔ خاتون۔ لیڈی۔ فقیر؎

باحُسنِ رخِ خدیجہ بیگم | گُل را کردند بُلبُلاں گُم

آتش کا شعر ہے؎

دخترِ رز مری مُونس ہے مری ہمدم ہے | میں جہانگیر ہوں یہ نور جہاں بیگم ہے

اِس پر اعتراض ہوا تھا کہ "بیگم بضمِ کاف فارسی صحیح ہے۔" اہلِ اردو تو بفتحِ کافِ فارسی (بیگَم) ہی کہتے ہیں۔"

معلوم نہیں مؤلفین کیا کہنا چاہتے ہیں۔ شاید یہاں وہ چلن کے قائل ہیں۔

"بَیِّن۔ع۔ ظاہر۔ آشکارا۔ علانیہ (بَیَّن) بفتحِ یاے مشدّد غلط۔"

اَب بہ کسر "یا" کوئی نہیں بولتا۔ سب بالفتح بولتے ہیں۔

"بَیَنَ السُطور۔ وہ فاصلہ جو سطروں کے درمیان ہوتا ہے۔ (بین) کے نون کو مفتوح پڑھنا چاہیے۔"

کوئی نہیں پڑھتا۔ سب نون کو ساکن بولتے ہیں۔

"بے وُقُوف۔ نادان۔ وقوف کے واؤ کو عوام فتحہ سے کہتے ہیں۔"

ہم نے تو خواص کو بھی بے وَقوف ہی کہتے سُنا ہے۔

"پابوسی۔ غلط ہے۔ اِس میں (ی) زائد ہے۔ پابوس حاصل مصدر ہے۔ پھر اِس پر یاے مصدری زیادہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اُردو میں قدم بوس۔ پابوس کہنا صحیح ہے۔ پابوس کو فارسی والے پاے بوس کہتے ہیں۔"

ی کے اضافے کا سبب ہم کہیں اور بیان کر چکے ہیں۔ اُردو میں اَب کوئی قدم بوس کہتا ہے نہ پابوس۔ اگر کہے گا تو غلط سمجھا جائے گا۔ ہمیں تو یہ حاصل مصدر نہیں "زمیں بوس" کی طرح اِسم فاعل لگتا ہے۔"

"پائے تخت۔ ف۔ راج دھانی۔ دارالسلطنۃ۔ پایۂ تخت کہنا اور لکھنا غلط ہے۔"

یہ بھی ایک طرح کی لسانی تبدیلی ہے۔ سبب اِس کا ایک غلط فہمی یا التباس ہے [جو اِس قسم کی تبدیلیوں میں اکثر ہوتا ہے۔] پا یا پاے ہُوا پانو۔ پاے تخت کے لُغوی معنی تخت کا پانو ہُوئے۔ چارپائی اور تخت میں پاے کی نسبت پایہ زیادہ مُناسبت رکھتا ہے۔ چناں چہ چارپائی میں اگرچہ صاف صاف پا موجود ہے لیکن اُس کو پایہ کہا جاتا ہے۔ اِسی طرح تخت کے پانو کو بھی

پایہ کہتے ہیں۔ لہٰذا اسی التباس کے سبب اوّل اوّل یہ تبدیلی ہوئی ہوگی اور
اب پایۂ تخت بھی لکھنے سُننے میں آجاتا ہے۔

"پرستانِ۔ پریوں کے رہنے کا فرضی مقام..... یہ لفظ فارسی میں نہیں آیا۔ اُردو والوں نے
گڑھ لیا ہے۔"

پھر! کیا حکم ہے؟ رکھیں یا زبان سے خارج کر دیں؟ اگر خارج کر دیں گے
تو بیچاری پریاں کہاں جائیں گی؟ ویسے آپ بہت سی فرضی چیزوں کو مانتے
ہیں، ہُما اور عنقا کو بھی وجود بخشے ہوئے ہیں، انھیں میں ایک مقام
بھی سہی۔

"پرگار۔ ف۔ دائرہ کھینچنے کا آلہ۔ اہلِ اُردو کاف تازی سے کہتے ہیں۔"
گویا کاف تازی سے دُرست ہوا۔ پھر قاموس الاغلاط میں شامل کرنے
کا جواز؟

"پرْوَرْدْگار۔ ف۔ پالنے والا.... دال ساکن ہے۔ دال کو زیر لگا کر پرورِدگار کہنا صحیح نہیں ہے۔"
لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ سب کہتے ہیں۔ ویسے آپ نے اپنی زبان کی
باریکیوں پر کبھی غور نہیں فرمایا ورنہ آپ پر عیاں ہو جاتا کہ آپ پرْوَرْدْگار میں
دال ساکن بول ہی نہیں سکتے۔ کوشش کر دیکھیے۔ مُنہ کی کھانی پڑے گی۔
آپ صرف "پرْوَرْدْ" کہہ سکتے ہیں یعنی کسی لفظ کے آخری دو حروف ساکن
ادا کر سکتے ہیں لیکن جوں ہی اسے کسی اَور کلمے کے ساتھ ملائیں گے آخری
حرف لامحالہ مُتحرک ہو جائے گا۔ اَب یہ آپ پر ہے کہ آپ وہ حرکت زیر ادا
کریں یا زبر۔ دوست دار کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ اَب یا تو آپ اسے
دوس دار کہیے [یعنی آخری ساکن حرف ت کو حذف کر دیجیے] جیسے:
"دوسدارِ دشمن ہے اعتمادِ دل معلوم" یا پھر دوس تدار کہیے۔ اِسے
چھوڑیے، ایک اور مثال لیجیے۔ آپ ارکانِ افاعیل اور تقطیع سے تو واقف
ہوں گے۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ تقطیع میں مُتحرک کے مُقابل مُتحرک اور

ساکن کے مقابل ساکن حرف آتا ہے۔ پرْوَرْدِگار کا وزن ہوا مُسْتَفْعِلَانُ۔ ذرا تقطیع کیجیے۔ مُس تف عِلَان۔ پرْوَرْدِگار۔ اب فرمائیے کیا خیال ہے ؟

"پسارنا۔ قابل ترک ہے۔ اِس کی جگہ پھیلانا کہنا چاہیے۔"

قابلِ ترک ہونے کا سبب آپ نے نہ لکھا۔ یہ مشورہ تو آتش اور کبیر کو دینا چاہیے تھا جو کہہ گئے ہیں: پھیلائیے نہ ہاتھ نہ دامن پسارئیے۔ یا مُٹھی باندھے آیا ہے ہاتھ پسارے جاے۔

فی الوقت کچھ محاورے یاد آرہے ہیں۔ ظاہر ہے نہ انھیں زبان سے خارج کیا جاسکتا ہے اور نہ ان میں ہر جگہ پھیلانا پسارنا کا بدل ہی ہوسکتا ہے: دامن پسارنا۔ پانْو پسارنا۔ ہاتھ پسارنا۔ مُنہ پسار کے رہ جانا۔ بلکہ اُردو میں اب نہیں رہا لیکن سرائیکی میں ایک محاورہ "پَسَر جانا" اب بھی موجود ہے۔ کچھ ان کے حق میں بھی فرمائیے۔

"پُلاؤ۔ ف۔ معرُوف۔ اردو میں بالضم مُستعمل ہے۔"

اگر اُردو میں پُلاو آپ کو تسلیم ہے تو درج کتاب کرنا کیا ضرور تھا۔

"پَن۔ اِس کی ترکیب ہندی الفاظ کے ساتھ درست ہے جیسے لڑکپن، بالک پن، بھولاپن، فارسی الفاظ کے ساتھ ملانے سے احتراز کرنا چاہیے: جیسے دیوانہ پن۔"

بچپن میں جائز ہے یا نہیں؟ ہم تو لڑکپن اور بھولپن بھی بولیں گے اور دیوانہ پن بھی اِس کے علاوہ اور بھی جتنے پن ہوسکتے ہیں۔ اِس کے جواز اور عدم جواز پر تو ہم آگے بات کریں گے فی الوقت یہ مصرعے سُنیے اور ان میں پن والے الفاظ ہٹا کر اُن کی جگہ موزُوں و مناسب الفاظ تجویز فرما دیجیے۔ ع

سچ دیکھ اِسے کہتے ہیں بے ساختہ پن نکلے [انشا] ؛

کیا کام کر گیا ہے ظالم دِوانہ پن میں [اغلباً میر]

"پنجاہ۔ ف۔ پنج سے پنجاہ۔ بفتحِ اوّل صحیح ہے۔"

کیا کوئی بضمِ اوّل بھی بولتا ہے ؟

"پنجرہ - ف - بحرکت جیم - مذکر - قفس ...... اکثر بسکونِ جیم مُستعمل ہے ...." پنجرہ اِک وہ لاتی مُگل اندام ۔"

اگر آپ کو بسکونِ جیم قبول ہے تو کاغذ ضائع کرنے سے فائدہ ؟ ویسے اگر آپ اجازت دیں تو عرض کریں کہ اَب تو بکسرِ اوّل بھی سُننے میں آتا ہے ۔

"پیالہ ۔ ف ۔ مذکر ۔ کاسہ ۔ جام ۔ .... پیالہ کہنا غلط ہے ۔"

نہ صِرف کہتے ہیں بل کہ لکھتے بھی ہیں ۔ ؎

خواہ پیالہ ہو یا نوالہ ہو بن پڑے تو جھپٹ لے بھیک نہ مانگ

[مرزا یاس یگانہ چنگیزی]

"تابعدار ۔ غلط ہے ۔ اِس لیے کہ تابع خود اسمِ فاعل ہے پھر اِس پر (دار) نہ صِرف غیر ضروری ہے بلکہ غلط ہے ۔"

غیر ضروری تو سمجھ میں آگیا لیکن غلط کیوں ؟ غالباً تابع عَرَبی اور دار کلمۂ فارسی ہے جسے عَرَبی کے لفظ پر چسپاں کرنا ناجائز ہے ۔ اگر یہی بات ہے تو اِن تراکیب پر بھی ذرا غور فرمائیے کہ اِن کی قِسمت کا بھی کچھ فیصلہ ہو جائے ! وضع دار ؛ وضعداری [یہ لفظ خُود آپ پیچھے لکھ چُکے ہیں] وفادار ؛ وفاداری ؛ خانۂ کعبہ ؛ رِشتۂ معنوی ؛ ایمان دار [سب میں ایک جُز عَرَبی اور دُوسرا فارسی ہے لہٰذا اِن میں اضافت کا رِشتہ قاعدے سے غلط ہے ۔ وفاداری بشرطِ استو' ہی بھی غلط ہوا ۔] نشو و نما ؛ [اِس میں اگر دونوں جُز عربی ہیں تو یہ واوِ عطف کیوں. اگر واؤ بھی عَرَبی ہے تو اِسے نَشْوُ وَنما کیوں نہیں پڑھتے بہ اندازِ فارسی نشو۔او۔نما کیوں کہتے ہیں ؟] ڈاک خانہ ؛ [ہندی فارسی ۔ پیچھے خُود آپ نے ایک لفظ ملنساری لکھا ہے ، معلوم نہیں یہ ہندی فارسی مرکّب ہے یا کچھ اَور] خوش مذاقی اَور تقاضائے خوش مذاقی [دونوں غَلَط ہیں کہ اِن میں خوش کُنڈلی مارے بیٹھا ہے] گناہِ عظیم ؛ طریقِ کار اور طریقۂ کار ؛ ذمہ دار ؛ ذمے داری ؛ بطورِ خاص ؛ اگر آساں کو عَرَبی مانیے تو تنِ آساں ؛ کم معیاری اَور کم عیار ، مسخ شُدہ ؛

غارت گر؛ غارت گرِ ایماں ؛ دشمنِ ایمان و آگہی ؛ عام پسند ؛ تباہ حال ؛ رسم و راہ بلکہ رسم و راہِ منزل ہا ؛ طوافِ کوئے ملامت ؛ بے حرمتی [بے فارسی کلمۂ نفی ہے] عجلت پسندی ؛ پس منظر ؛ پیش منظر ؛ انشا پردازی ؛ قواعدِ زباں و بیاں ؛ نامناسب [نا فارسی حرفِ نفی] بے انصافی ؛ ناانصافی ؛ علم و آگہی ؛ چور بازاری ؛ غلط بیانی ؛ غلط گوئی ؛ حسب الفرمائش یا حسب فرمائش ؛ جذبات کدہ ؛ مختلف الزبان ؛ گلِ نغمہ ؛ نغمہ سرائی ؛ صورت گر ؛ صورت پذیر ؛ سیف و سبو ؛ شعلہ و شبنم ؛ عصرانہ ؛ عشائیہ ؛ بسا اوقات ؛ وغیرہ وغیرہ۔ یہ تراکیب و مرکبات کچھ ہم نے نہیں تراشے۔ اگر سب نہیں تو ان میں بیشتر مستند علما و شعرا کے کلام و کتب میں پائے جاتے ہیں۔ یہ تو نمونۂ مشتے از خروارے بھی نہیں۔ انھیں تو بس اجمیر والے خواجہ کی دیگ میں سے ایک دانہ سمجھیے۔ ہماری ساری زبان اس قسم کے مرکبات سے بھری پڑی ہے۔ آپ سب کو نکال دیجیے۔ آپ کے پلے کیا رہے گا۔ بس ٹٹرُوں ٹوں ہو کر رہ جائیے گا۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ زبانیں اس طرح کی مصنوعی قدغنوں کو قبول نہیں کرتیں۔ جب دو زبانوں کا ایک دوسرے سے سابقہ پڑتا ہے، خصوصاً فاتح اور مفتوح کی زبانوں میں، تو وسیع پیمانے پر لین دین ہوتا ہے، لین کم دین زیادہ بلکہ صرف دین ہی ہوتا ہے اور مفتوح قوم کی زبان میں صرفی، نحوی، لفظی و معنوی، صوتی و صفاتی اتنی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ غضب ہے کہ ایرانی تو فہم سے فہمیدن اور فہمانیدن جیسے مصدر تراش لیں، عربی والے فارسی لفظوں کو عربیا لیں اور معرب و تعریب نام رکھیں اور ہم فارسی عربی کی باہمی اضافتوں کے چکر سے نکل سکیں۔ چاہیے تو یہ کہ جو ترکیبی و اضافی صورتیں مستحکم ہو جائیں انھیں قبول کر لیا جائے اور اپنی زبان کو بڑھنے، پھلنے پھولنے کا موقع دیا جائے نہ کہ یہ غلط ہے وہ غلط ہے کہہ کہہ کر اپنی زبان کی جڑوں پر چھری رکھی جائے۔ عربی آل کو اگر فارسی الفاظ پر چسپاں کرنے سے احتراز کیا جائے

عرض و معذرت

معذرت اس امر کی کہ اگر ایک شاعر کے مجموعۂ کلام کا نام نہ ہوتا تو میں اس تالیف کا نام مشاہدات رکھتا کیوں کہ اس میں مطالعے کا دخل نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ سر تاسر مشاہدات ہیں۔ گذشتہ چوتھائی صدی کے مشاہدات۔ مجھے ابتدا ہی سے اردو زبان اور اس کے بولنے والوں سے دلچسپی رہی ہے۔ اور پشاور تا حیدرآباد دکن و دہلی تا میسور ہر علاقے کے لوگوں کے منہ سے یہ زبان سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ یہ تالیف اسی تجربے اور مشاہدے پر مبنی ہے۔ چناں چہ اب "گاہے گاہے باز خواں" جیسے غیر علمی نام کو گوارا فرمایئے۔ اور عرض یہ کہ گاہے گاہے باز خواں یکسر غیر متعلق بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ واقعہ ہے کہ یہ تالیف گاہے گاہے باز خواں کا براہِ راست نتیجہ ہے۔ اسے حسنِ اتفاق کہیے یا سوءِ اتفاق چند دن پہلے کوئی کتاب تلاش کر رہا تھا کہ "قاموس الاغلاط" مؤلفہ علامۃ الدہر مولانا سید مختار احمد و مولانا ہاشمی و مولانا ذہین صاحب ہاتھ آگئی

تو بے چارے اختر الایمان اور خورشید الاسلام کہاں جائیں گے؟ ہم اِس طویل بحث کو قلم انداز کر کے آگے بڑھتے ہیں۔

"تاج محل۔ آگرہ کی مشہور عمارت۔ ممتاز محل شاہ جہاں کی چاہیتی بیوی کا نام تھا جس کے انتساب سے اُس کے مزار (روضہ) کا نام ممتاز محل رکھا گیا۔ عوام نے ممتاز محل سے تاج محل بنا لیا۔ بالآخر عوام ہی کے سر تاج کا سہرا رہا اور بلا امتیاز جہلہ و عُلما عامتہ الناس (تاج محل) کہتے اور لکھتے [ہیں]۔

چلیے کہیں تو عُلَمائے عوام کی قوّت کو تسلیم کیا۔

"تاہم غلط لفظ ہے۔ اِس کی جگہ بریں ہم (یا پھر اس پر بھی۔ پھر بھی) کہنا چاہیے۔"

جب تک چلن میں ہے گوارا کرنا ہی پڑے گا۔ ویسے اب اِس کا استعمال کم ہوتا جا رہا ہے۔ خود ہی ختم ہو جائے گا۔

"تب۔ ف۔ بروزن لب۔ بخار..... بائے فارسی سے (تپ) غلط ہے۔"

میر انیس ایسے فصحا کیا جانتے تھے کہ کل اُن کو محض غَلَط گو سمجھا جائے گا ورنہ ع:
گردوں کو تپ چڑھی تھی زمین کے بخار سے، کبھی نہ کہتے اور انشا؛ لیلٰے کو لیا تپ نے.... کا راگ نہ الاپتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُردو میں تب سننے میں نہیں آیا۔ سب تپ ہی کہتے ہیں۔ تپنا خالص اُردو مصدر ہے اِسی سے تپ اور تاپ کو سمجھیے۔

"تبدیلی۔ تبدیل خود مصدر ہے اِس پر یائے مصدری لگانے کی کیا ضرورت ہے۔"

ضرورت ہے۔ ایسی تبدیلیوں کا ایک سبب تو یہ ہوتا ہے کہ بہت سے دخیل الفاظ اپنے پورے مفہوم کے ساتھ مُتصل زبان میں کھپ نہیں پاتے۔ دوسرے یہ کبھی کبھی مفہوم و معانی کے بعض اجزا اتنے کم زور ہوتے ہیں کہ اپنا مفہوم کھو دیتے ہیں۔ اُنھیں تقویت پہنچانے کے لیے کچھ اجزا اپنی طرف سے بڑھا یا شامل کر دیے جاتے ہیں۔ یہاں بھی یہی ہوا ہے۔ ایک نہیں ایسے بے شمار مصادر ہیں جو ہمارا مفہوم پوری طرح ادا نہیں کرتے۔ چناں چہ ہم اُن کے ساتھ کوئی

اِمدادی فعل لگاکر، کسی نِسبت کا اِضافہ کر کے اپنا مفہوم ادا کرتے ہیں۔ تبدیل مصدر ہے، معنی ہوتے بدلنا یا بدل کرنا لیکن ہمیں چاہیے اِسم [خواہ اسمِ حاصل مصدر ہی کیوں نہ ہو]۔ تبدیلی اسم کیفیت ہُوا۔ اگر ہمیں کہنا ہو: "اِس کی ظاہری حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، تو کیا ہم: "اِس کی ظاہری حالت میں کوئی تبدیل نہیں ہُوا" کہیں گے؟ میں ایک ناپسندیدہ لفظ کی مثال دیتا ہوں۔ تبرّا بھی تبدیلی کی طرح مَصدر ہے۔ لیکن اُسے اِسم مان کر کرنا کے ساتھ اِستعمال کرنا پڑتا ہے ورنہ قائل کا مَفہوم ادا نہیں ہوتا۔ ہمیں یہ نہیں دیکھنا کہ عربی میں کسی لفظ کا اِستعمال کس طرح ہوتا ہے بلکہ یہ کہ ہماری زبان میں وہ با معنی کیسے بن سکتا ہے۔

"تپش۔ ف۔ مؤنث۔ تڑپنا۔ گرمی۔ سوزش..... (ط) سے طپش غلط ہے۔"

یہ زبان و تلفّظ کی نہیں اِملا کی غَلَطی ہے۔ پُرانی کتابوں میں تو خیر طپیدن اَور اُس کے مُشتقات کو ط سے لکھا ہی جاتا تھا، اب بھی بعض لوگ ایسا کر جاتے ہیں۔ چلیے آپ آیندہ کو اِحتیاط کر لیجیے لیکن گذشتہ کو صلواۃ کیوں کر کہیں گے؟ آخر مرزا جان "طپش" کی اصلاح کا حق تو مرحوم ہی سے مل کر حاصل کرنا ہوگا۔

"تَتَبُّع۔ ع۔ مذکر۔ تقلید۔ پیروی۔ ریس۔"

کسی غَلَطی کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا، اِس لیے اِندراج کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا۔ یہاں یہ اِشارہ کر دینا نامُناسب نہ ہوگا کہ تتبّع بہ کسرِ ثانی بھی سُننے میں آتا ہے۔

"تجرِبہ۔ ع۔ مذکر۔ (بکسرِ رائے مہملہ) آزمانا۔ آزمایش۔ باب تفعیل کا وزن تفعِلہ بھی آتا ہے۔ جیسے تصفِیہ، تخلِیہ۔ تزکِیہ۔ تذکِرہ۔ تفرِقہ۔ وغیرہ۔ لہٰذا تجربہ..... اور تذکرہ.... اور تفرقہ (بفتح رائے مہملہ) کہنا جہل ہے۔"

تجرِبہ کے تلفّظ میں بڑا خلفشار پایا جاتا ہے۔ پڑھے لکھے اور ثِقہ حضرات

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

کی زبانی یہ تَجرُبَہ اور تجرِبہ بھی سننے میں آیا ہے ۔ کچھ لوگ تجرَبہ بولتے بھی سنے
گئے ہیں ۔ یہاں چلن کے بارے میں کوئی قطعی رائے دینا ہمارے لیے بھی
ممکن نہیں ، لیکن یہ طے ہے کہ تجرُبہ اکثر تجرِبہ کم تر مستعمل ہے ۔ لہٰذا یہ
دونوں تلفظ درست ہیں ۔ اس کے علاوہ سب تذکَرہ اور تفرَقہ بولتے
ہیں ۔ بکسر راے مہملہ شاذ ہی کوئی بولتا ہوگا ۔ خود جہل بھی جہل ہی بولا جاتا
ہے ۔ لہٰذا اصل پر اصرار کرنا فضول ہے ۔

"تحتَ السّماء ۔ ع ۔ بفتح تا صحیح ہے ۔ اسی طرح تحتَ الثّریٰ ۔"

صحیح بے شک بفتح تا ہے لیکن بولا اکثر بضم جاتا ہے کیا کیجیے ۔

"تحقیقات ۔ (تحقیق کی جمع) اردو میں بطور واحد مونث مستعمل ہے ۔"

جی ہاں ! اردو میں تحقیق کا ایک خاص مفہوم ہو گیا ہے اور تحقیقات کا بھی ۔
تحقیقات اب تفتیش سے مختص ہو کر رہ گیا ہے جیسا کہ تسلیم کے مندرجہ ذیل
شعر سے ظاہر ہے جو مثالاً پیش کیا گیا ہے :

کسی نے لے لیا تھا ایک بوسہ اُن کا چوری سے
ہوئے برسوں کہ اب تک اُس کی تحقیقات ہوتی ہے

"تخمین ۔ ع ۔ اندازہ کرنا ۔ قیمت لگانا ۔ اہل اردو تخمینہ کہتے ہیں ۔"

جی نہیں ! اردو میں اندازہ کرنا نہیں محض اندازہ کے معنی میں تخمینہ بولتے
ہیں ۔ ویسے یہ بھی عربی مصدر معلوم ہوتا ہے ۔ اب اگر آپ کو تخمینہ پر کوئی
اعتراض نہیں ہے تو تبدیلی پر کیوں ہے ؟

"ترجمہ ۔ ع ..... ترجُمہ (بضم جیم) کہنا سخت غلطی ہے ۔"

اکثر اردو والے اس سخت غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں ، کیا کیجیے ! مختلف فیہ
مان لیجیے ۔

"ترسیل ۔ ع ۔ ترتیل کے معنی میں آیا ہے ۔ ارسال (بھیجنا) کے معنی میں اس کا استعمال
غلط ہے ۔"

اردو میں کوئی ترتیل کے معنی میں استعمال نہیں کرتا اور اب تو ترسیل اصطلاح

کے مرتبے کو پہنچ گیا ہے۔ شعوری طور پر اصطلاحیں وضع کرنے سے قطع نظر، ماہرین لِسانیات کے مُطابِق جب کسی لفظ کو کوئی ایک گروہ کسی خاص معنی میں اِستعمال کرنا شرُوع کر دیتا ہے تو وہ لفظ اصطلاح بن جاتا ہے۔

"ترِکش ۔ ف ۔ (تیرکش کا مُخفف) تیردان ۔ ترکش بفتح تا کہنا اُصلیت کے خلاف ہے۔"

اُصلیّت کے خِلاف تو تیرکش بھی ہے ۔ اِسم [تیر] اَمر [کش] کے ساتھ مل کر اِسم فاعل بناتا ہے ۔ یہاں تو اِسم ظرف اور یک گونہ آلہ کے معنی دے رہا ہے ۔ یہ ویسی ہی بات ہے جس کا ذکر ہم نے بندوق کے سلسلے میں کیا تھا۔ یہ تیرکش کا مُخفف سہی لیکن اردو میں سب ترکش کہتے ہیں ۔ ترِکش تو ہم نے کسی کرِ ذپنتھی کی زبان سے بھی نہیں سُنا۔

"ترکہ ۔ ع ۔ میراث ۔"

اُردوٗ میں "ر" کے کسرے سے کوئی نہیں بولتا بلکہ "بسکون را کہتے ہیں" جس کو خود مولفین نے تسلیم کیا ہے۔

"تُزک ۔ ت ۔ مذکر ۔ قاعدہ .... بسکونِ زا یا بفتح زا کہنا غلط ہے۔"

مُجرّد تُزَک بفتح زا بولتے ہیں اور ترکیب کی صوُرت میں تسکین الاوسط سے تُزکِ بابری ، تُزکِ جہانگیری وغیرہ ۔

"تشہیر ۔ ع ۔ ظاہر کرنا ۔ تلوار کو میان [؟ نیام] سے نکال کر لوگوں کو دِکھانا ۔ فارسی اُردوٗ والے رُسوائی کے معنی میں اِستعمال کرتے ہیں۔"

[نیام کو میان چلن کے جَبر نے نہیں تو پھر کس نے لکھوایا ؟]

اَور شہرت کے معنی میں بھی ۔

"تَشنَہ ۔ ف ۔ پیاسا ۔"

تِشنَہ [بکسرِ اوّل] بھی سُنا گیا ہے شاید سنسکرت "ترِشنا ، تِشنا" کے تَشابُہ میں ۔

"تَعداد ۔ ع ۔ مؤنث ۔ گننا ۔ شمار کرنا ۔ جیسے تکرار (دوہرانا) تذکار (ذکر کرنا)"

گویا یہ بھی مَصدر ہے لیکن اُردوٗ میں بطورِ اِسم شُمار اَور گنتی کے معنی میں مُستعمل

ہے نیز تعدّاد بھی سُننے میں آتا ہے ۔

"تعویذ لحد ۔ فارسی والوں نے نہیں لکھا ۔ اہلِ اُردُو کی ترکیب بطورِ فارسی ہے جو صحیح نہیں ۔ لحد کا تعویذ کہنا چاہیے ۔"

اِسے "محرم آب رواں" کے قبیل سے سمجھیے ۔

"تَعْیِین ۔ ع ۔ مؤنث ۔ مقرر کرنا ۔ مخصوص کرنا ۔۔۔۔ اِسی سے تعینات اور تعیناتی بنا لیا ہے جو غلط ہے ۔"

تعیناتی کا تو عِلم نہیں ۔ تعینات البتہ مستعمل ہے اور دُرست ہے ۔ تعیین ہمارا مفہوم ادا نہیں کرتا جیسے تبدیل نہیں کرتا ۔

"تَقَاضَا ۔ ع ۔ (تقاضی) ہے ۔ فارسی اُردو والے تقاضا کہتے ہیں ۔ تقاضی کے معنی خواہش کرنا اور اُردو میں تاکید ۔ تشدد ۔ مُطالبہ ۔ تقاضہ (ہ) سے لکھنا غلط ہے ۔ اِسی طرح تحاشی سے تحاشا بنا لیا ہے ۔"

اِس طرح یہ صَوتی تبدیلی بھی ہے اور معنوی تبدیلی بھی ۔ لہٰذا اب تقاضا خالص اُردُو لفظ ہُوا صوُرتاً اور معناً ۔ اب اسے عَربی سے کوئی تعلّق نہیں ۔ ہاں اُردُو میں مُتقَاضی ضرور مستعمل ہے ۔

"تَقَرُّر ۔ ع ۔ قرار لینا ۔ تقرر مصدر ہے ۔ پھر اِس پر یائے مصدری بڑھا کر تقرری کہنا غلط ہے ۔"

کم کم سہی لیکن اُردُو میں تقرری رائج ضرور ہے اسے بھی تبدیل کے قبیل سے سمجھیے ۔

"تِلمِیذ ۔ ع ۔ شاگرد (تلامِذہ و تلامیذ جمع) فارسی اُردُو میں بفتحِ تا مستعمل ہے ۔"

نہ صِرف بفتحِ تا بلکہ جمع کی صوُرت میں بسکونِ میم "تلامْذہ" بھی ۔

"تماشا ۔ اصل میں عربی (تَمَاشی) ہے ۔ مل کر چلنا ۔ فارسی والوں نے تماشی سے تماشا بنا لیا جیسے تقاضی سے تقاضا ۔ تحاشی سے تحاشا ۔ تماشا کے معنی اُردو میں دید ۔ نظارہ ۔۔۔۔۔ ہیں ۔"

اُردو کے دیگر معنی سے قطع نظر، دید اور نظارہ نہ صِرف فارسی میں بھی ہیں بل کہ انھوں نے تو تماشا کردن ایک مُرکّب مصدر بھی بنا لیا۔ اقبال کے اِس مصرعے میں اُسی کا ترجمہ ہے: ع : دیکھے تجھے کہ مجھ کو تماشا کرے کوئی اور غالب نے خالصتاً اُردو کے معنی میں باندھا ہے: اِک تماشا ہوا گلا نہ ہوا۔ چلیے مؤلفین نے کہیں تو چلن کو ترجیح دی۔

"تمکنت۔ عربی، فارسی کے کسی لغت میں پایا نہیں گیا۔ اُردو والوں نے گڑھ لیا ہے۔..."

عَرَبی فارسی لُغت میں نہیں پایا گیا تو نہ ہو۔ [ویسے زبان لُغت میں نہیں بولنے والوں کے مُنہ میں ہوتی ہے۔] لُغت تو کچھ الفاظ کا اِحاطہ کرتی ہے۔ [لُغت کو عُلَما مذکّر کہتے ہیں مگر ڈکشنری یعنی ایسی کتاب جس میں الفاظ کے معنی درج ہوں، کے معنی میں مُذکّر ہمارے گلے سے نہیں اُترتا۔ لُغت لفظ کے معنی میں تو مُذکّر ہو سکتا ہے لیکن کتاب کے معنی میں اُسے مؤنث ہی ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں ہم اکیلے نہیں ہیں۔ کچھ پڑھے لکھے لوگ بھی لُغت کو مؤنث لکھتے ہیں] دُنیا میں کوئی ایسی لُغت نہیں جو ساری زبان کو اپنے دامن میں سمیٹ لے۔ بہرحال یہ تو جُملہ معترضہ تھا۔ اُردو میں یہ لفظ ملتا ہے بل کہ ہمارے یہاں تو شاذ تمکنت تک پلئے جاتے ہیں۔

"تنازع۔ ع۔ مذکّر۔ باہم خصومت کرنا۔ جھگڑا کرنا۔ تنازَع (بفتحِ رائے معجمہ) غلط ہے البتہ تفاوت بہر سہ حرکتِ واو آیا ہے....."

تفاوُت تو خیر اکثر بضمِ واو بولا جاتا ہے لیکن تنازُع کوئی نہیں کہتا۔ سب تنازَع کہتے ہیں اور معنی بھی جھگڑا کرنا نہیں، جھگڑا یعنی مصدر نہیں اِسم کے لیے جاتے ہیں۔ تبدیل کے قبیل سے سمجھیے۔

"تنقید۔ عربی میں نہیں آیا ہے۔ اُردو والے نقد و انتقاد کی جگہ کہتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ اِس سے احتراز چاہیے اِس لیے کہ غلط ہے۔"

بے ترکیبِ اِضافی مُجرّد نقد یا اِنتقاد کہنے لکھنے والے اب مُلّا کہلاتے ہیں۔

ہم ترسیل کے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ جب کوئی گروہ کسی لفظ کو مخصوص معنی میں اِستعمال کرنے لگتا ہے تو وہ لفظ اصطلاح کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ تنقید کا بھی یہی حال ہے۔

"تنوّر۔ ع۔ مذکر۔ بھٹی۔ فارسی و اُردو میں بالتخفیف استعمال کرتے ہیں۔ اِس کو بعض سُریانی اور بعض عبرانی بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تن بمعنی دود (دھواں) اور نُور بمعنی آتش (آگ سے مرکب ہے)۔"

اُردو میں تو خیر اَب تنوُّر ہے ہی نہیں [سرائیکی میں البتہ ہے] پہلے جب چلن میں تھا تو تنوُر بہ تخفیف ہی رائج تھا۔ یوں بھی لسانیات کا ایک قاعدہ ہے کہ جب کسی مرکب لفظ میں ایک آواز مکرر ہوتی ہے [جیسے تن نور میں نون] تو اُن میں سے ایک آواز گر جاتی ہے مثلاً خرید دار سے خریدار۔

"تُواں۔ فارسی۔ مؤنث۔ قوت۔ قدرت۔ طاقت .... تواں بالفتح کہنے سے احتراز چاہیئے۔ اِسی طرح تُوانا اور تُوانائی بضم تا صحیح ہیں۔

ہوں گے صحیح بضم تا۔ اُردو میں سب تَواں، تَوانا اور توانائی کہتے ہیں۔

"تُوانگر۔ ف۔ صاحب قدرت .... تَونگر بفتح تا و بلا الف کہنا غلط ہے۔"

اوّل تو سب بر فتح اوّل ہی بولتے ہیں دوسرے الف کے حذف کی مثالیں بھی شاذ نہیں۔ دَرسی کتابوں میں بھی اِس کی مثالیں مل جاتی ہیں ویسے اُردو میں، توانا و توانائی کے برعکس اِس لفظ کا چلن نہ ہونے کے برابر ہے۔

"تَوبہ۔ ع۔ مؤنث۔ گناہ سے باز آنا۔ پشیمانی .... بضم تا کہنا غلط ہے۔"

تَوبہ اور تُوبہ [بہ واو مجہول तोबा] دونوں طرح بولا جاتا ہے۔

"توشہ خانہ۔ غلط۔ توشک خانہ صحیح۔ اِس لیے کہ توشک کے معنی فرش۔ بچھونا ہیں۔"

اُردو میں "بستر خانہ" کے معنی میں کوئی نہیں بولتا بلکہ توشہ بہ معنی اسباب اور اَشیائے خوردنی کے معنی میں اِستعمال کرتے ہیں جیسے توشۂ آخرت میں۔ [غالب نے ایک خط میں: "توشہ خانے میں بارہ شیشے شراب کے"

لکھا ہے۔] لہٰذا اب یہ اسٹور یعنی اُس کمرے کے معنی میں مُستعمل ہے۔ جِس میں کھانے پینے کی چیزیں رکھی جاتی ہیں۔ اِسی لیے توشہ خانہ کہہ اور لکھ دیتے ہیں۔ توشک خانے شاہوں کے ساتھ ختم ہو گئے۔

"تہلکَہ۔ ع مذکر (بہر سہ حرکتِ لام) نیست ہونا۔ ہلاک ہونا۔ اُردو میں خوف۔ دہشت شور و غوغا۔ آفت ..... کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ ظفر ؎

اگر ہم روکتے یارو نہ اپنی اشک باری کو جہاں میں۔ تہلکہ۔ یہ دیکھ کر برسات پڑ جاتا ہے

جُہَلہ بسکونِ لام (تہلکہ) کہتے ہیں"

اُردو میں بہ فتحِ لام اور سکونِ لام دونوں طرح سُننے میں آتا ہے۔

"تہیئَہ۔ ع۔ مذکر۔ آمادگی۔ تیاری۔ اصل میں (تہیئۃ) تھا۔ اِس کو (تہیہ) بفتحِ ہا کہنا غلط ہے"

اُردو میں بفتحِ ہا ہی مُستعمل ہے۔

"تیّار۔ آمادہ۔ مستعد۔ دیکھو طیّار"

طیّار دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ عربی میں تیّار تیز رفتار کے معنی میں ہے اور طیّار تیز اُڑنے والے کے، مجازاً مُستعد اور آمادہ۔ یہ فارسی معنی ہیں۔ یہی اُردو میں رائج ہو گئے۔ لہٰذا مُستعد کے معنی میں تیّار اور اُڑنے والے کے معنی میں طیّار جیسے طیّارہ اور جعفرِ طیّار۔ یہ املا کا مسئلہ تھا زبان و تلفّظ کا نہیں۔ یہاں اندراج کی ضرورت نہیں تھی۔

"تیمُور۔ (بکسرِ تا بروزن ذی نور) ایک مشہور مُغول بادشاہ کا نام۔ بفتحِ تا صحیح نہیں ہے"

اُردو میں تیمُور نہ لکھا دیکھا نہ بولتے سُنا۔ سب تیمُور ہی کہتے ہیں۔ اصلاً تیمُور ہو گا کہ اِس کا مُخفف تمر آیا ہے۔ بادشہزادہ کز اولادِ تمر خاں باشد (انشاؔ)

"ثقاہت۔ ثِقہ سے بنا لیا ہے ..... لیکن صحیح نہیں اِس لیے کہ ثقہ کا مادّہ وثق اور مصدر وُثوق و وثاقت ہے۔ ثقاہت کی جگہ وَثاقت کہنا چاہیے"

آج اگر کوئی وثاقت کہے گا تو خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہو، اُردو والے اُسے جاہل

ہی سمجھیں گے، لہٰذا اپنی عزت اپنے ہاتھ۔ ہماری زبان میں اسی طرح کا ایک لفظ نقاہت ہے کم زوری کے معنی میں۔ ہوسکتا ہے وہ بھی غلط ہو لیکن نقاہت اُسی کے قیاس پر تراشا گیا لگتا ہے۔ معنوی تبدیلی کے تحت پیچھے کہیں اس قاعدے کا ذکر آچکا ہے۔

"ثَمَرَہ۔ ع۔ مذکر۔ پھل۔ میوہ۔ نتیجہ۔ اُردو میں بسکونِ ثانی مُستعمل ہے۔"

جب اُردو کے استعمال پر کوئی اعتراض نہیں تو درجِ کتاب کرنے سے مطلب؟ پہلے کہیں لکھا جاچکا ہے کہ جہاں ایک ساتھ تین مُتحرک حُروف آتے ہیں تو اُن میں درمیانی حرف کو ساکن کرلیا جاتا ہے یا پھر ہماری زبان کے مزاج کے اعتبار سے از خُود ساکن ہوجاتا ہے۔

"جَاجَم۔ ت۔ ایک قسم کا فرش۔"

یہ جاجَم بھی سُنا گیا ہے۔

"جاگہہ۔ ہ۔ مؤنث۔ مقام۔ ٹھاوں۔ انیس بھی لکھ گئے ہیں۔ لیکن اب متروک ہے۔"

متروک تو ٹھاوں [ٹھانو] بھی ہے لیکن آپ نے لکھا۔ ویسے متروک اور غلط میں فرق ہے۔ کتاب قاموس الاغلاط ہے نہ کہ قاموس المتروکات۔

"جَبَرُوت۔ ع۔ عظمت۔ جلال۔ تکبر..... جَبَرُوت بھی آیا ہے۔"

اُردو میں جَبرُوت اور جَبَرُوت، بسکون و تحریکِ را ہر دو صورت مُستعمل ہے، بفتحتین مسموع نہیں۔

"جبِلّت۔ ع۔ عربی مؤنث..... جِبلّت کسی کی بدلتی نہیں

چوں کہ شروع میں جیم کے نیچے زیر نہیں لگایا گیا اس لیے ہم نے مثال کے شعر کا ایک مصرع بھی نقل کردیا۔ تاکہ غلطی کی وضاحت ہوجائے۔ اُردو میں عموماً جَبلّت سُنا جاتا ہے۔

"جِدوجُہد۔ ع۔ مؤنث۔ کوشش..... جہد بالکسر صحیح نہیں..... جُہد بضم جیم بھی آیا ہے۔"

اُردو میں تو جِہد بالکسر بھی مُستعمل ہے خصوصاً جب مجرّد بولا جائے۔ البتّہ ان

معلوم نہیں یہ کتاب کب چھپی تھی[1]؟ بس اتنا معلوم ہے کہ اس میں اصل کتاب کے علاوہ جو ۱۸۴۴ صفحات کو محیط ہے، دو ضمیمے بھی شامل ہیں، پہلا ۶۴ اور دوسرا ۶ صفحے کا۔ اِس طرح کُل ملا کر ۱۹۱۴ صفحے ہوئے۔ اس کتاب کی تالیف کا مقصد میں پوری طرح سمجھ نہیں سکا البتہ مؤلفین نے اِس کی کیفیت و مقصد کے بیان میں جو کچھ لکھا ہے، وہ یہ ہے:

"مخفی نہ رہے کہ یہ اعلیٰ انتقادِ ادبی کی پہلی کتاب ہے جو السنۂ عربی و فارسی و اُردو میں تصنیف ہوئی ہے۔ اس میں ہزارہا ادبی اغلاط کی تصحیح و تنقیح اور الفاظ کی تحقیق و تدقیق اور تراکیب کی توضیح تصریح بہ اسالیبِ انتقادیہ استناداً و استشہاداً کی گئی ہے۔

اِس کتاب میں ہر لفظ کی لسانی تصریح۔ تجزئی کلام، اعراب و تشکیل، سکون و حرکت کے بعد اُس کی اصل و حقیقت۔ مادہ۔ مأخذ و اشتقاق، تحلیل و ترکیب، اسما کی صورت میں تذکیر و تانیث اور واحد جمع شرح و بسط کے ساتھ بتائی گئی ہے۔ مصطلحاتِ علمیّہ، ادبیّہ و اِصطناعیّہ کی تعریفات صحیح و مُوجز ہیں۔

اِس لغت میں الفاظ کی اصلیّت کے اظہار میں تمام مرتقی زندہ و مُردہ السنۂ عالم۔ خصوصًا سامی و آریَ زبانوں کے الفاظ کا تقابل، تماثل و توافق کیا گیا ہے۔

یہ لغت اہلِ مدارس، اہلِ دفاتر، اہلِ علم، اُدبار و شعراء،

---

[1] اصولاً مجھے نہ صرف اِس کی اِشاعت کا زمانہ تحقیق کرنا چاہیے تھا بل کہ اِس کے مُولفین کے بارے میں حتی الامکان معلومات بھی بہم پہنچانا چاہیے تھی۔ مُولفین نے مقدّمے میں استعجالاً لکھنے کا ذکر کیا ہے۔ معلوم نہیں ان کی عجلت کتنی مُدّت کو محیط تھی مگر میں ان سے بھی زیادہ عجلت میں تھا۔ میری بِٹیا امرتسر میں ہے جہاں کے حالات حد درجے مخدوش ہیں اور مجھے اُس سے ملے دو ماہ کا عرصہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک بار قلم اٹھانے کے بعد دن رات میں کئی کئی گھنٹے کی تسوید کے بعد محض چار دن میں یہ مسودہ گھسیٹ ڈالا، اور پرسوں امرتسر روانہ ہو جاؤں گا۔

دنوں پاکستان میں شعوری طور پر جُہد بولا جانے لگا ہے۔ دیکھیے کب مقبول ہو۔ جَدّ و جُہد بھی سننے میں آتا ہے۔

"جُدّہ۔ ع۔ بحرِ احمر کا ایک بندر گاہ...... بالکسر (جِدّہ) بھی کہنے لگے ہیں۔"

ہم نے تو اپنی عُمر میں جُدّہ کسی کو بولتے نہیں سُنا۔ جِدّہ اور جَدّہ البتہ سُننے میں آتا ہے۔

"جَذْبہ۔ ع۔ مذکر۔ ایک بار کھینچنا۔ اُردو میں جوشِ دل۔ کششِ قلبی۔ ولولہ۔ شوق۔ غُصّہ۔"

یہاں اندراج کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا۔ [شاید معنوی تبدیلی دکھانا مقصود تھا] ہم نے البتہ اِس لیے نقل کر دیا کہ جوشؔ ملیح آبادی اِسے فارسی جانتے تھے اور اُن کے نزدیک عربی قاعدے سے "ات" لگا کر جمع بنانا [جذبات] غلط تھا۔ چُناں چہ جگن ناتھ آزادؔ نے ایک جگہ اپنی اور جوشؔ کی گفتگو نقل کی ہے جو کچھ اِس طرح تھی:

"جب میں نے جذبات کہا تو جوشؔ صاحب نے اعتراض کیا۔ میں نے عرض کیا اِس کی بجائے کیا جذبہ ہا......، جوشؔ نے بجائے اِس کا جواب دینے کے اِس کی بجائے پر اعتراض کر دیا۔" ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ جذبہ کی جمع بالاتفاق جذبات ہی لکھی بولی جاتی ہے۔ [اگر تلاش کیا جائے تو خود جوشؔ صاحب کے کلام میں اِس کی مثال مل جانا بعید نہیں، البتہ "جذبہ ہائے صنفِ نازک" کلامِ جوشؔ میں آیا ہے۔] اِس کے علاوہ بجائے، سوائے کا اِستعمال حرفِ اِضافت کے ساتھ اُردو میں عام ہے۔ غالبؔ کہتا ہے: سوائے اِس کے کہ آشُفتہ سر ہے کیا کہیے، اَب اِس چلن کو غلط بتانا کٹرپن بلکہ کٹھ حُجّتی ہے جو زبانوں میں نہیں چلتی۔

"جِراحت۔ ع۔ مؤنث۔ زخم۔ ریش۔ گھاؤ۔ (جراح و جراحات جمع) بفتحِ جیم صحیح نہیں۔"

اُردو میں جَراحت ہی بولا جاتا ہے۔ اور جمع تو جَراحتوں تک بنالی جاتی ہے۔ جب ایک لفظ کو اُردو کا مان لیا جائے تو اُس پر اُردو قواعد ہی کا اِطلاق

ہوگا۔ جگرؔ نے "جراحتوں کے چمن" نظم کیا ہے اور کوئی معترض نہیں ہوا۔

"جرّار۔ ع۔ کشیدہ۔ کھینچنے والا۔ لشکرِ بسیار۔۔۔۔ اُردو میں بہادر اور دلیر کے معنوں [آپ نے عربی لفظ کی جمع اُردو کے قاعدے سے کیوں بنائی ؟] میں کہتے ہیں۔"

گویا اب جرّار بہادر اور دلیر کے معنی میں خالص اُردو کا لفظ ہوا۔

"جرح۔ ع۔ مؤنث۔ زخمی کرنا۔۔۔۔ شہادت پر نکتہ چینی کرنا۔"

اِس لحاظ سے عربی مصدر ہوا لیکن اُردو میں اِسم بہ معنی "نکتہ چینی بلکہ صِرف بحث کے معنی میں مُستعمل ہو گیا ہے۔ ترکیب کی صورت میں جرح بسکونِ را آتا ہے۔ لیکن مجرّد جرح بفتح را اور بکسرِ جیم مُستعمل ہے۔ جَرَح بفتح جیم سُننے میں نہیں آیا۔

"جزیہ۔ (گزیہ کا مُعرب)۔ محصول جو غیر مسلم پر حفظ و امان کے لیے لگایا جائے۔"

ہم نے جَزْیہ سُنا ہے۔ جزیہ کوئی نہیں کہتا۔

"جُمادے الاولےٰ۔ ع۔ جُمادےٰ جماد سے مشتق ہے۔ خشک (سال۔ موسم) بے باراں۔ جُمادے تانیث ہونے کے سبب اُولےٰ اور آخرہ کہنا چاہیے نہ کہ جمادِیُ الاوّل و جمادِیُ الثانی۔ اُردو فارسی شُعرا نے جمادی الاوّل و جمادی الثانی استعمال کیا ہے۔"

جب جمادِیُ الاوّل و جمادِیُ الثّانی ہی استعمال کیا ہے۔ تو عربی قواعد کے چکّر میں پڑنا فضول ہے۔

"جماعہ دار۔ ف [یہ فارسی کیوں کر ہے ؟ عربی فارسی کیوں نہیں ؟] جماعت دار۔ جماعت کا افسر۔۔۔۔"

انشا کے یہاں ہم نے جَماعہ دار دیکھا ہے۔ فی الوقت یہ عرض کرنا ہے اب اِس معنی میں جمعدار مستعمل ہے۔

"جُمُعہ۔ ع۔ بسکونِ ثانی (جُمْعہ) بھی آیا ہے۔ اکثر شعرا نے بسکونِ ثانی نظم کیا ہے۔"

اکثر شُعرا نے بسکونِ ثانی نظم کیا ہے اور اکثر بولنے والے بسکونِ ثانی بولتے ہیں، پھر اندراج کا مقصد ؟

"جُمّل ۔ ع ۔ رسن کشتی ۔ جہاز کا رسّا ۔ حسابِ ابجد ۔ بہ تخفیف بھی آیا ہے ۔"

اُردو میں بہ تخفیف ہی سُنا جاتا ہے ۔

"جُمہُور ۔ ع ۔ . . . . . . جَمہُور بفتح جیم غلط ہے ۔"

اَب بضم جیم غلط کہا جائے گا کہ سب جَمہُور اور جمہُوریت کہتے ہیں ۔

"جِنّات ۔ اُردو والوں نے جن کی جمع بنالی ہے حال آں کہ جِنّ خود اسم جمع ہے ۔ عربی میں جنات نہیں آیا ۔

عَربی میں نہ آیا ہوگا ۔ اُردو میں بولا اور لکھا جاتا ہے اِس لیے صحیح ہے ۔

"جِوار ۔ ع ۔ مذکر ۔ ہمسائگی ۔ بالضم بھی آیا ہے ۔"

اُردو میں جُوار بالضم ہی آتا ہے ۔ بالکسر کوئی نہیں بولتا ۔

"جواہرات ۔ غلط ہے ۔ اِس کی جگہ جَواہِر کہنا کافی ہے ۔ اُردو میں جواہر کا اِطلاق مفرد پر بھی ہوتا ہے اِس لیے اس کو مفرد سمجھ کر جواہرات جمع بنالی ہے جو قابل ترک ہے ۔"

جواہرات کی توجیہہ تو خُود آپ نے فرمادی ۔ کیا آپ کے نزدیک ہر لفظ قابلِ ترک ہے ؟ کُچھ تو قابلِ قبُول بھی ہونا چاہیے ۔ اتنا اَور عرض کر دیں کہ بہ صُورت واحد اُردو میں جَواہر [جیسے جواہر لال میں] اَور بہ صورتِ جمع عمُوماً جَواہرات بولا جاتا ہے ۔

* جوَرَب / جوراب } ع ۔ موزہ ۔ جُرّاب بحذف واو و تشدید رائے مہملہ غلط ہے ۔"

بہ تشدید غلط ہوگا لیکن بہ واو بھی غلط ہے سب جُراب کہتے ہیں ؎

اِک طَرف پانو اِک طَرف جُوتا ۔۔۔ میری حالت جُراب کی سی ہے [ہری چند اختر]

"جَہالَت ۔ ع ۔ مؤنث ۔ نادانی ۔ بکسرِ جیم غلط ہے ۔"

اُردو والے جیسے جِہل کہتے ہیں ویسے جِہالت بھی بولتے ہیں ۔

"جہاں ۔ ف ۔ جَہیدن اور جَستن (اُچھلنا) سے اِسم حالیہ یعنی اُچھلتا ہوا مجازاً دُنیا ۔ عالم ۔ بعض مُستفر یعنی اس کو جہیدن سے جہاں بالکسر کہتے ہیں ۔"

بہ معنی عالَم جہاں اَور بہ صورت اِسمِ حالیہ جِہاں مشہور ہے ۔

"جَیْب ۔ع ۔ مختلف فیہ ۔ گریبان ۔ کیسہ ۔"

بہ معنی گریبان جَیب اور بہ معنی کیسہ جیب مُستعمل ہے ۔ اوّل الذکر مُذکّر اور موخّر الذکر مُونث ۔

"جَیِّد ۔ع ۔ (دراصل جَیوِد) اچھا ۔ خوب ..... بفتح یائے مشدّد کہنا غلط ہے (دیکھو سیّد) ۔"

اُردو میں نہ کوئی جَیِّد کہتا ہے نہ سَیِّد ۔ لہٰذا جَیَّد اور سَیَّد بالفتح ہی صحیح ہے ۔

"چپقُلَش ۔ ت ۔ مؤنث ..... اُردو میں چپقُلِش ....."

جب اُردو کا چلن قبول تھا تو درجِ کتاب کرنا ہی نہیں چاہیے تھا ۔ ویسے اُردو میں قؔ مفتوح چپقَلَش اور لؔ بالکسر چپقَلِش دونوں طرح بولا جاتا ہے ، ساکن کوئی نہیں بولتا ۔

"چُغُد ۔ ف ۔ مذکّر ۔ اُلّو ۔ جَہلَہ (چُغَد) بفتح غین کہتے ہیں ۔"

اُردو میں بولا تو چُغَد ہی جاتا ہے لکھتے البتّہ چُغُد ہیں ۔

"چِہلُم ۔ ف ۔ چالیسواں ..... شعرا نے بسکونِ ہائے ہوز استعمال کیا ہے ۔"

لوگ بولتے بھی چِہلُم بلکہ چہلَم ہیں ۔

"حاتِم ۔ ایک مشہور سخی ..... بکسرِ تا صحیح ہے ..... اردو والوں نے (بفتح تا) لکھا ہے ۔ مگر اہلِ تحقیق نے اِس سے احتراز کیا ہے ۔"

زبان اہلِ تحقیق کی میراث نہیں بلکہ عوام کی دولت ہوتی ہے ۔ اُردو میں حاتَم اور حاتِم ہر دو طرح سُننے میں آتا ہے ۔

"حاجی ۔ فارسی والوں نے (حَاجّ) سے بنا لیا ہے ۔"

اُردو میں بھی حاجی ہی مشہور ہے ۔ جو بھی حج کر آتا ہے حاجی کہلانے لگتا ہے ۔ کچھ گھرانوں میں بہ طور موروثی لقب بھی ملتا ہے ۔ چناں چہ اُردو میں اب اتنے حاجی ہیں کہ حاجّ کہنا تکلُّف معلوم ہوتا ہے ۔ البتّہ کچھ عربی دال الحاج ضرور لکھتے بولتے ہیں ۔

"حَباب ۔ع ۔ مذکر ۔ بلبلہ ۔ اِس معنی میں بضمّ حا کہنا غلط ہے ..... صرف منتخب نے (بالضّم)

پر زور دیا ہے۔ غالباً اِسی بناء پر دیگر فرہنگ نویسانِ ہند نے حباب کو (بالضمّ) لکھ دیا ہے۔"

سبب کچھ ہو۔ اُردو میں ہر دو طرح سُننے میں آتا ہے۔

"حَبَشی۔ ع۔ (یائے نسبت) ملک حَبش کا رہنے والا۔ حبشی بسکونِ با نہیں کہنا چاہیے۔"

کہتے بسکونِ با ہی ہیں [متواتر تین حرکات اُردو اور اُردو والوں کو قابلِ قبول نہیں۔] البتہ شین یا ی کو مشدّد کہیں دیکھا سُنا نہیں۔

"حَزَم۔ ع۔ مذکر۔ ہوشیار۔ احتیاط۔"

اُردو میں حُزم بضمّ اول مشہور ہے۔ نیز تنہا حزم بھی شاذ مُستعمل ہے اکثر حُزم و احتیاط مرکّب ہی آتا ہے۔

"حَشَمَت (بفتحتین) خدمت گار..... بسکون شین بھی آیا ہے۔ اہل اُردو (حشمت) کو بزرگی مرتبہ شان و شوکت دبدبہ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔"

اہلِ اُردو حِشمت نہیں حَشُمت شان و شوکت کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

"حُضُوری۔ حُضُور عربی میں مصدر ہے۔ اِس پر فارسی اُردو والے یائے مصدری زیادہ کر دیتے ہیں۔ معنی حاضر شدن۔ حاضر ہونا اور حُضُور کو تعظیم و عزّت کے القاب میں داخل کر لیا ہے۔"

تو کیا باہر کر دیں۔ حُضُور خالص اُردو کا لفظ ہو گیا ہے۔ بفتحِ حا حَضُور بھی سننے میں آتا ہے۔

"حق ناشناس۔ ....."

اُردو میں شِناس نہیں شَناس بولتے ہیں۔

"حَلْف۔ بالفتح۔ سوگند۔ قسم اور حِلف بالکسر عہد و پیمان اور قسم کے معنی میں بھی آیا ہے۔ اردو میں حَلَف (بفتحتین) کہتے ہیں۔ قابلِ احتراز ہے۔"

عربی والے حَلْف اور حِلف دونوں استعمال کر سکتے ہیں اور اُردو والے حَلَف نہیں کہہ سکتے کیوں؟ اُردو میں حَلَف کا چلن مستحکم ہو گیا ہے۔ اب اِسے

دُرست ماننا ہی پڑے گا۔ مُختلف فیہ مان لیجیے۔

"حَلُق ۔ع ۔ مذکر۔ گلو ۔ گلا ۔"

اُردو میں حَلَق بفتحتین بھی سننے میں آتا ہے ۔ لکھنے میں البتہ حَلْق ہی آتا ہے۔

" حِلیہ ۔ ع ۔ چہرہ ۔صوُرت .....،"

اُردو میں حِلیہ کوئی نہیں کہتا۔ سب حُلیہ کہتے ہیں ۔"

حَمَاقَت ۔ ع ۔مونث ۔ نادانی ۔ بکسر حاے حطی صحیح نہیں ۔"

یہی صحیح ہے ۔ سب حِماقت کہتے ہیں۔ حَماقت کہنے کی حِماقت کوئی نہیں کرتا۔

" حُمُل ۔ع ۔ مذکر ۔ بارِشکم ۔ بار ۔ بوجھ ۔پھل ۔ قلق (مثنوی طلسم الفت)

شاہ کا اِک محلِ خاص جو تھا　　ناگہاں اُس پری کو حَمُل رہا "

اُردو میں حَمَل بھی مُستعمل ہے ۔ بولتے سب حَمَل ہیں لکھتے البتہ سب نہیں۔

نسیم [گلزارِ نسیم]

وہ بانجھ تھی جب حَمَل قبولی　　سرسوں آنکھوں میں سب کی پھولی

"خاصِیَّت ۔ ع ۔ مؤنث ۔ بہ تشدید صاد مکسور و یاے مفتوح .... اُردو میں صرف بہ تشدید یاے مفتوح مُستعمل ہے ۔"

اُردو میں بہ تخفیفِ یاے مفتوح بھی مُستعمل ہے ۔

"خالِی الذّہن ۔ ع ۔ بسکونِ یا صحیح ہے ۔اِسی طرح قاضی الحاجات ۔ بادِی النّظر وغیرہ کہنا چاہیئے ۔"

اُردو میں خالیُ الذہن ، قاضیُ الحاجات اور بادیُ النظر کہتے ہیں۔

" خَجَالَت ۔مونث ۔ شرم ۔حیا ۔ فارسی اور اُردو والوں نے لکھا ہے ۔ بالکسر صحیح نہیں ۔"

جب بولتے ہیں تو صحیح ہے ۔ ویسے تو خَجالَت بھی غَلَط ہے ۔ خَجِل سے خَجلت ہونا چاہیے ۔اب جب کہ خَجالت کو صحیح مان لیا تو خِجالت کو دُرُست ماننے میں کیا مانع ہے ۔ ہم نے پیچھے کئی جگہ دخیل الفاظ اور اُن میں مُختلف تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے ۔ کبھی کبھی یہ تبدیلی اِس طرح ہوتی ہے کہ حُرُوف کی حرکات باہم مبدّل ہو جاتی ہیں ۔ چناں چہ اُردو میں خَجِل اور خِجَل ہر دو

صورت بولا جاتا ہے۔ خ کی حرکت اپنے بعد والے حرف جیم پر چلی گئی ہے اور ج کی حرکت خ پر منتقل ہو گئی ہے۔ ایک مثال آپ اَمرت کی صورت میں خود ہی دَرُج کر چکے ہیں کہ اُردو والے اِمرت لکھتے بولتے ہیں۔ یہاں ر کا کسرہ الف کے فتح سے مبدّل ہو گیا ہے۔ اگر امرت آپ کو گوارا ہے تو خجل بھی ناگوار نہیں ہونا چاہیے۔

"خُجستہ۔ ف۔ مُبارک۔ بکسرِ جیم غلط ہے۔"

اُردو میں خَجستہ اور خِجستہ دونوں مُستعمل ہیں۔ البتہ خُجستہ سُننے میں نہیں آیا۔

"خَراج۔ ع۔ باج .... بکسرِ خا غلط ہے۔"

اُردو میں خِراج ہی مُستعمل ہے۔

"خَزاں۔ ف۔ مونث [فارسی میں جنس کا تصوّر سرے سے ہے ہی نہیں۔ وہاں عورت بھی آمد ہے اور مرد بھی۔ یہ آپ نے اُردو میں خزاں کی جنس کو فارسی پر منطبق کر دیا ہے] پت جھڑ۔ بالکسر غلط ہے۔"

خَزاں اور خِزاں دونوں مُستعمل ہیں۔"

"خِزانہ۔ ع۔ مذکر۔ گنجینہ .... بفتح خائے مُعجمہ خَزانہ غلط ہے۔"

مُسلّمات کو آپ ہی بدل سکتے ہیں۔ ع ایں کار از تو آید و مَرداں چُنیں کُنند۔ بندہ پرور! اب ایسے غیر معقول مشورے کو کون مانے گا؟ خزانہ نہ کبھی سُنا نہ پڑھا۔ سب بالاتفاق خَزانہ کہتے ہیں۔

"خَسارہ۔ ع۔ مذکر .... نقصان۔ گھاٹا۔ بالکسر غلط ہے۔"

اُردو میں خَسارہ اور خِسارہ ہر دو طرح سُننے میں آتا ہے۔

"خُسر۔ ف۔ سُسَر .... بسکون سین غلط ہے۔"

اُردو میں خُسر بروزن سُسَر بولا جاتا ہے۔ خُسر تکلّف محض ہے۔ خُسر بسکونِ سین کوئی نہیں بولتا۔

"خُسْرُو ۔ ف ۔ اِس کا معرّب (کِسرے) ہے ..... بعض بالکسر (خِسرو) کہتے ہیں اور یہ توجیہہ کرتے ہیں کہ چوں کہ اِس کا معرّب کِسرے بالکسر ہے" واصل خِسرو بھی مکسور ہونا چاہیے ۔ لیکن یہ درست نہیں اِس لیے کہ تعریب میں تطبیق کی ضرورت نہیں ہے جیسے پستہ سے فُستق

چلیے ! آپ نے خُود ایک لِسانی حقیقت کا اعتراف فرما لیا ۔ یعنی دخیل الفاظ پر مُتّصِل زبان والے اپنی زبان کے مُطابِق عملِ جرّاحی کرتے ہیں ۔ ویسے اُردُو میں خُسرو بیشتر اور خِسرو کم تر سننے میں آتا ہے ۔

"خُفّاش ۔ ع ۔ مذکر ۔ شپرہ ۔ چمگادڑ ۔ بالفتح غلط ہے ۔"

اُردُو میں خُفّاش سُننے میں نہیں آتا ۔ خِفّاش بالکسر البتہ سُننے میں آتا ہے ۔

"خَفَقَان / خَفَگی ......"

دونوں بہ سکونِ اَوسط سُنے اور لکھے دیکھے گئے ہیں ۔ بالخصوص خفگی بہ فتحِ ثانی مسموع نہیں ۔

"خَلَاصی ۔ ع ۔ (بازائد) رہائی ۔ خَلَاص ۔ فارسی والے خلاص کے معنی رہا ۔ آزاد لیتے ہیں ۔"

اگر آپ کو کہنا ہو : اُس نے خلاصی پائی ، تو کیا کہیں گے ؟ اُس نے خلاص پایا ؟ اُردُو والے خلاص ایک دُوسرے ہی معنی میں بولتے ہیں ۔

"خلجَان ۔۔ ع ۔ چُبھنا ۔ خلش ۔ مجازاً تردُّد ۔"

اُردُو میں بہ تسکینُ الاَوسط نیز بکسرِ اوّل بھی مُستعمل ہے ۔

"خِلعَت ۔ ع ۔ مذکر ۔ وہ پوشاک جو امیر یا بادشاہ کی طرف سے کسی کو عطا ہو ۔"

اِدھر ایک مُدّت سے خَلعَت بھی سننے میں آنے لگا ہے ۔

"خِلقَت ۔ ع ۔ مؤنث ۔ پیدائش ۔ آفرینش .... بالفتح صحیح نہیں ۔"

اُردُو میں اِس کے تلفُّظ میں اختلاف نہیں ہے ۔ پنجابی میں البتہ خَلقت ، خَلق ، مخلوق ، عوام اور لوگ کے معنی میں سُنا گیا ہے ۔

"خَلوَت ۔ ع ۔ مؤنث ۔ تنہائی ۔ بالکسر غلط ہے ۔"

ہم نے تو خلوت بھی سُنا ہے۔ کئی سال اُدھر ہم نے ایک شعر میں قُربت باندھا تھا۔ ڈاکٹر گیان چند جین مُشاعرے کے صدر تھے۔ مشاعرے کے بعد اُنھوں نے مشورہ دیا کہ قُربت کی جگہ اگر جلوت، خلوت کی ضد ہو تو شعر بہتر ہو جائے گا۔ اگرچہ ہم نے وہ مشورہ نہیں مانا پھر بھی اِس سے یہ تو ظاہر ہے کہ اُردو والے نہ صِرف خلوت بکسرِ اوّل بولتے ہیں بل کہ جَلوت کو بھی جِلوت کہتے ہیں۔ مُمکن ہے یہ بھوپال یا کسی اَور خاص مقام سے مُختص ہو۔

"دِباغت۔ ع۔ مؤنث۔ چمڑے کو پاک کرنا۔ بفتحِ دال غلط ہے۔"

دَباغت ہی سُننے میں آیا ہے۔

"دِجلہ۔ ع۔ عراق کا مشہور دریا۔ دَجلہ بفتحِ دال غلط ہے۔"

دُجلہ بفتحِ دال ہی مستعمل ہے۔

"دُرخشاں۔ بفتحتین و بضمِّ اوّل و فتحِ ثانی۔ روشن۔ چمکیلا۔ بعض نے (بضمتین) دُرخشاں [؟] بھی لکھا ہے۔"

ہم نے تو صِرف دَرخُشاں ہی سُنا پڑھا ہے۔

"دُروغ۔ ع۔ مذکر۔ کذب۔ جھوٹ۔ بفتحِ دال غلط ہے۔"

دُروغ نہ دیکھا نہ سُنا۔ دَروغ بالاتفاق بولا اور لکھا جاتا ہے۔

"دِرّہ۔ ع۔ مذکر۔ (دِرَرُ۔ جمع) آلۂ ضرب۔ چمڑے کا چابک۔ تازیانہ....."

ہم نے تو مُوئے پر سو دُرّے سُنا تھا۔ آج معلوم ہوا کہ دِرّے کہنا چاہیے۔ دُرّہ سب غلط کہتے ہیں۔

"دِریغ۔ ف۔ مذکر [ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ فارسی میں مُذکّر مؤنث نہیں ہوتا۔ مُمکن ہے حُلّا کی فارسی میں ہوتا ہو] افسوس۔ بفتحِ دال غلط ہے۔"

اُردو میں تو دَریغ ہی کہتے ہیں۔

"دَفتر۔ ف۔ مجموعۂ حساب وغیرہ۔ کتابِ کاغذات [؟] طومار۔ محکمہ۔ آفس۔ اِن معنوں میں فارسی والوں نے بطور عربی (دفاتر) جمع بنالی ہے۔ اِس کا معرب دفتر۔ کتاب۔ حساب بھی کھاتہ۔ اِس معنی میں (دفاتر) عربی والوں نے بنائی ہے۔"

بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی ۔ دونوں زبانوں میں ایک ہی لفظ ہے ۔ تعریب کا عمل کہیں دکھائی نہیں دیتا ۔ یوں کہنا چاہیے کہ عربی میں یہ مستعار یا دخیل لفظ ہے ۔ جمع بھی دونوں زبانوں میں ایک ہے ۔ اب فارسی والوں پر الزام رکھیے کہ انھوں نے عربی کے قاعدے سے جمع بنالی یا پھر یوں کہیے کہ عربی کی جمع اپنالی ۔ یہی بات دستور اور دستور [فارسی عربی] کے سلسلے میں کہی جاسکتی ہے ۔

"دفع الوقتی ۔ دفع مصدر ہے پھر وقت پر یائے مصدری لگانا عبث ہے ۔ دفع الوقت یعنی وقت گزاری ۔ ایام گزاری ۔ ٹال ٹول ۔"

سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ یہ اُردو کا چلن ہے ۔ ایسے الفاظ کی توجیہہ پیچھے گزر چکی ہے ۔ البتہ ٹال ٹول کے یہ معنی نہیں ہیں ۔ ہمیں پسند نہیں ٹال ٹول کی باتیں (رند)

"دِماغ ۔ ع ۔ مغزِ سر ۔ بھیجا (اَدمغہ جمع) مجاز ۔ تکبر ۔ غرور .... صاحبِ برہان نے دماغ بالفتح بروزن رواق لکھا ہے ۔ بالفتح کاتب نے غلط لکھا کیوں کہ رواق تو بالکسر ہے اور صاحب برہان نے بھی رواق کو بالکسر ہی لکھا ہے ....."

ممکن ہے برہان میں سہوِ کاتب ہو لیکن اُردو میں دِماغ اور دَماغ ہر دو صورت رائج ہے ۔

"دِمَشق ۔ ع ۔ شام کا پائے تخت ۔ دِمشق بھی کہتے ہیں ۔"

دِمَشق سننے میں نہیں آیا ۔ اُردو میں تو دِمشق بھی سُننے میں نہیں آیا ۔ دِمشق ہی کہتے ہیں ۔

"دُہُل ۔ ف ۔ مذکر ۔ نامِ ساز ۔ ڈھول ۔"

یہ ڈھول کا مُفرّس معلوم ہوتا ہے ۔ اُردو میں دُہُل بولتے ہیں ۔

"ذبح ۔ گلا کاٹنا ۔ ذُبح یا ذِبح بالضم یا بالکسر کہنا یا ذبَح بالفتحتین کہنا غلط ہے ۔"

اُردو میں بولتے ذَبَح اور لکھتے ذبح ہیں ۔

"ذو معنی ۔ نہ عربی میں آیا ہے نہ فارسی میں ۔ اہلِ اُردو کے ہاں اِس کے یہ معنی ہیں (وہ بات جس میں کئی معنی یا پہلو نکلتے ہوں) یا (ذو معنی بات) اور ذو معنی سے یہ معنی نہیں نکلتے ۔

انشا پرداز، مُصنّفین، صحافیین (جرنلسٹس) و مضمون نگار نامہ نگار اصحاب کے لیے نہایت مفید و کار آمد ہے۔ اِس کا مطالعہ عام و خاص حضرات کو صدہا اغلاط سے بچ کر صحیح عالمانہ مضامین اور فصیح و بلیغ اشعار اور نظمیں لکھنے میں بڑی مدد دے گا۔ تمام جوامع (یونیورسٹیز) کے کُلیات (کالجز) امتحانات مشرقیہ، مدارس عالیہ و ثانویہ کے پروفیسرز (اساتذہ) متعلمین اور کل تلامذہ کو یہ کتاب حرزِ جاں اور دستورِ ادب بنانی چاہیے۔ کیوں کہ یہ کتاب اُن کا عین موضوع اور حقیقی مقصود ہے۔ ہر معلم و متعلم اِس کو مطالعہ کیے بغیر فریضۂ تعلیم و تعلّم کو حُسن و خوبی کے ساتھ انجام نہیں دے سکتا۔ نہ اُن کی زبان دانی پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتی ہے۔ مختصر یہ کہ اِس کتاب میں اِس قدر معلوماتِ لسانیہ، مباحثِ ادبیہ اور ذخائرِ علمیہ موجود ہیں کہ اِس کا عُشرِ عشیر بھی کسی میں نہیں پایا جاتا۔ شعراء و اُدبائے اردو محض چند اصول و کلیات سے واقف تھے۔ لیکن یہ لغت تو ادبیات، لسانیات، اصول زبان، مقالاتِ انتقادیہ وغیرہ کا مخزن ہے۔

جمیع عدالت ہائے مرافعہ، استناف، انفصال، دیوانی و فوجداری کے حکّام و اراکین، نظار، منصفین اور ان کے عَمَلَہ و فَعَلَہ کے علاوہ بیرسٹروں، لکچراروں، وکیلوں، مختاروں وغیرہ سب قانون پیشہ (ص،) اصحاب کو اِس کتاب کا پیش نظر رکھنا لازم ہے، کیوں کہ الفاظ کے صحیح مفاہیم نہ معلوم ہونے سے مسائل و واقعات قانونیہ و سیاسیہ میں ہمیشہ اشکال و احتمال پیدا ہوتے رہتے ہیں، حفظِ حقوق اِس کتاب کے بغیر کما ینبغی نہیں ہو سکتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر محاکمِ مال، فینانس، سیاسیات، امورِ مذہبی، تعمیرات، فوج وغیرہ کے معتمدوں، ناظموں، نائبوں، مددگاروں، منتظموں اور جمیع عملہ و فعلہ کے لیے اِس کتاب کا ہمیشہ پاس رکھنا لازم ہو

عوام کہتے ہیں۔ کتبِ معتبرہ میں یہ نہیں پایا گیا۔"

پھر اسے نیا لغت سمجھیے اور اہلِ اُردو کی ایجاد کہ مُستعمل ہے۔ ویسے جس بات میں کئی معنی ہوں اُس کے لیے ہم نے ذُو معنین بھی سُنا ہے۔

"ذِہانت۔ عربی میں نہیں آیا۔۔۔ لہٰذا اِس کی جگہ (ذہن) کہنا چاہیئے۔"

اُردو میں چوں کہ ذِہن کے معنی زیرکی اور دانائی نہیں محض دِماغ کے ہیں، اِس لیے اِسم کیفیت کے لیے ذِہانت تراش لیا۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ وہ آدمی ذہن ہے تو کوئی نہیں سمجھے گا کہ مُراد ذہین ہے۔ اُلٹے لوگ جاہل کہیں گے۔ اِسی طرح اُس میں ذِہانت ہے کے معنی اُس کا ذہن اچھا ہے لیے جاتے ہیں۔

"رِباط۔ ع۔ مؤنث۔ (رُبُط۔ رِباط جمع) مہانسرا۔ مُسافر خانہ۔ بعض مذکر کہتے ہیں۔ آج کل مصر و شام (رُباط) بالضم کہتے ہیں۔"

اُردو میں رَباط اور رُباط بھی مُستعمل ہے۔

"ربیع الثانی۔ ع۔۔۔۔ اکثر کتب میں ثانی کا لفظ پایا گیا۔ لیکن بعض نے آخر لکھا ہے اور اِس کی توجیہہ کی ہے کہ ثانی کا اطلاق اِس جگہ ہوتا ہے کہ اِس کے بعد ثالث و رابع وغیرہ بھی ہو۔ اور ربیع الثانی کے بعد ربیع الثالث نہیں ہے اِس لیے ربیع الثانی کی جگہ ربیع الآخر کہنا چاہیے۔"

توجیہہ و تاویل کے باوجود اُردو میں رائج ہے اِس لیے ہم جائز سمجھتے ہیں۔

"رِت۔ س۔ مؤنث۔ اُردو میں سکون تا کہتے ہیں [آپ نے سکونِ تا ہی لکھا ہے۔ رِتُ لکھنا تھا۔] موسم۔ فصل۔ بالضم رُت صحیح نہیں۔"

اُردو میں رِتُ کوئی نہیں کہتا۔ تت سم رُوپ رِتُ ہے لیکن اُردو میں تدبھو رُوپ رُت ہی مُستعمل ہے۔ ت کی پیش ر پر آگئی ہے۔

"رَجاء۔ ع۔ مونث۔۔۔۔ بالکسر کہنا غلط ہے۔"

اَب سب رِجا کہتے ہیں۔ آخری ہمزہ اُردو میں نہ بولا جاتا ہے اور نہ لکھا جاتا ہے۔

"رَدِیّ ۔ ع ۔ خراب ۔ ناکارہ .... بہ تشدید دال کہنا غلط ہے ۔"

عَرَبی میں رَدِیّ ہوگا اُردو میں تو رَدی اور رَدّی لکھا بولا جاتا ہے ۔
غالباً اُردو والے رَدّ سے ملاتے ہیں ۔ رَد اور رَدّ چوں کہ دونوں طرح ہے
اِس لیے رَدی اور رَدّی بھی دونوں طرح مُستعمل ہو گیا ہے ۔

" رَزائی .... "

اُردو میں رَضائی ہی آتا ہے ، وجہ کچھ بھی ہو ۔ سیّد سلیمان ندوی نے وجہ تسمیہ یہ
بتائی ہے کہ موجد کا نام رضا تھا ۔ "رُسوخ ۔ ع ۔ استواری ....."

اُردو میں رُسوخ اور رَسوخ دونوں طرح مُستعمل ہے اور معنی بھی رسائی
کے لیے جاتے ہیں ۔

"رَعایا ۔ ع ۔ (جمع رعیّت) .... اُردو میں بجائے واحد مُستعمل ہے ۔"

نہ صرف واحد بلکہ بہ کسرِ را یعنی رِعایا بھی ۔

"رُعُونت ۔ ع ۔ مونث .... رَعُونت کہنا غلط ہے ۔"

رَعونَت ہی کہتے ہیں ۔

"رَفاقت ۔ ع ۔ ہمراہی ۔ اُردو میں محبت دوستی .... کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں ۔"

اسے معنوی تبدیلی کہیے ۔ علاوہ ازیں رَفاقت کی جگہ رِفاقت بہ کسرِ اوّل
سُننے میں آتا ہے ۔

"رِکابی ۔ ف ۔ چھوٹا طباق .... بفتحِ را کی کوئی اصلیت نہیں ۔"

اُردو میں رَکابی بفتحِ را ہی مُستعمل ہے ۔

"رَمَضان .... رَمْضان بسکونِ میم غلط ہے ۔"

لیکن بولتے سب یہی ہیں بلکہ بعض لکھتے بھی ہیں ۔ رمضاں میں دیا پھر مہِ شوّال دکھائی (ذوق)

"رنگت ۔ مونث ۔ رنگ فارسی ہے ۔ اِس سے اُردو والوں نے (رنگت) بنالیا ۔"

بنا کر کچھ اضافہ ہی کیا بگاڑا تو نہیں ؟

"رنگ رَز ۔ ف ۔ صبّاغ ۔ کپڑے رنگنے والا ۔ اُردو والوں نے رنگ ریز بنالیا ۔"

ریختن سے ریز امر ہے۔ رنگ ریز مِل کر اسم فاعل بنتا ہے۔ رزیدن
نامانوس مصدر ہے مقبول نہ ہُوا۔ لوگوں نے رنگ ریز بنالیا۔ اب اِسے
غلط کہنا غلطی کرنا ہے۔

"رَواج ۔ ع ۔ (ضدِ کساد) .... رِواج (بالکسر) کسی مُستند لغتِ عربی میں نہیں پایا گیا۔"
بجا! لیکن مروج رِواج ہی ہے۔ جو رَواج بولتا ہے۔ اُسے پنجابی کا طعنہ
دیتے ہیں۔

"روغن ۔ ف ۔ بالفتح ۔ تیل گھی۔"
رُوشن بہ واو مجہول تو کمتر بولا جاتا ہوگا اکثر رَوشن بالفتح کہتے ہیں لیکن رُوغن
بواو مجہول بیشتر بولتے ہیں کوئی بہ تکلّف ہی رَوغن کہتا ہوگا۔

"رَہا ۔ ف ۔ (ضدِ گرفتار) .... بالکسر غلط ہے۔"
غالباً رَہا [رہنا کا ماضی] کے اِلتباس سے بچنے کے لیے سب رِہا کہتے ہیں۔
اگر کوئی رَہا کہے تو غلط سمجھا جاتا ہے۔

"رہائش ۔ سکون و قیام کے معنی میں جاہل کہتے ہیں۔"
لِسانی تبدیلیوں کی ایک قسم [جس کا ذکر پہلے بھی ہوچکا ہے] یہ بھی ہے کہ
اپنی زبان میں دخیل الفاظ کے قیاس پر الفاظ تراش لیے جاتے ہیں۔ لہٰذا
آزمائش، ستائش کے قیاس پر رہائش بھی رائج ہوگیا اگرچہ اِس کی
مُخالفت بھی بہت ہوئی اور اب بھی ہوتی ہے۔

"رِیاض ۔ ع ۔ مذکر (جمع روضہ) بہت سے باغ ۔ اُردو میں بجائے واحد مُستعمل ہے۔"
بلکہ اکثریت یہ بھی نہیں جانتی کہ یہ رَوضہ کی جمع ہے۔

"زِرِہ ۔ ف ۔ مونث [؟] (بکسر تین) جنگ کا لباس ۔ بفتح رائے مہملہ غلط ہے۔"
اُردو میں زِرِہ اور زِرَہ ہر دو صورت رائج ہے۔

"زُمُرّد ۔ ع ۔ مذکر ایک سبز رنگ کے قیمتی پتھر کا نام۔"
اُردو میں زمُرّد اور زمَرُّد بولتے ہیں۔

"زُنبُور۔ع۔مذکر۔بھڑ......"

اُردو میں زَنبُور بولتے ہیں۔

"زیادتی۔ف۔افزونی.... اہلِ فارس نے زیادت پر (ی) بڑھادی ہے۔"

اُردو میں اسی کا چلن ہے۔ زیادت مُستعمل نہیں۔

"سُبحہ۔ع۔مختلف فیہ۔تسبیح...."

اُردو میں سَبحہ بھی سُنا جاتا ہے۔

"سَبُک۔ف۔بفتح سین وضمّ با.... بضمتین کہنا درست نہیں۔"

اُردو میں اوّل تو س اور ب کی حرکات باہم مُبدّل ہو گئی ہیں یعنی سُبَک بجائے سَبُک، اور بضمتین بھی سُننے میں آتا ہے۔

"سِجاف۔ف۔مؤنث (بروزن غلاف) جھالر.... بفتح سین بھی آیا ہے۔ اِس کو اُردو والوں نے نون بڑھا کر سنجاف بنا لیا۔"

ہم نے سَحاف بروزن سحاب ہی سُنا ہے۔

"سِرایت۔ع۔ایک چیز کا دوسری چیز میں گھُس جانا۔اثر کرنا۔بالکسر صحیح ہے اور بالفتح غلط ہے۔"

اُردو میں تو سَرایت ہی سُننے میں آتا ہے۔

"سرسری۔مجمل طور پر.... ذوقؔ:

مثلِ سحاب باندھے جا کر ہوا فلک کی ‏ ‏ جس پر کہ اُس کی چشمِ الطاف سرسری ہو"

کوئی غلطی بیان نہیں کی گئی۔ ہم نے یہاں محض مثال میں دیے گئے شعر کے غلط انتساب کی وجہ سے لکھ دیا۔ مندرجہ بالا شعر ذوقؔ کا نہیں الحاقی ہے۔ البتہ میرؔ کی سند دے سکتے ہیں:

سرسری تُم جہان سے گزرے ‏ ‏ ورنہ ہر جا جہانِ دیگر تھا

"سرِشت۔ف۔مؤنث۔خلقت۔پیدائش۔طینت۔طبیعت۔خو.... بفتح سین مہملہ صحیح نہیں۔"

ہم نے تو بہتوں کو سَرِشت کہتے سُنا ہے۔

"سَرطَان ۔ع۔ مذکر۔ (بفتحتین) خرچنگ۔ کرک۔ کیکڑا۔..."

اُردو میں بسکونِ ثانی سَرطان بولا جاتا ہے۔

"سطحِ سمندر۔ سطح عربی ہے اور سمندر ہندی۔ اِس کی ترکیب اضافی کیوں کر ہو سکتی ہے۔ اِس کی جگہ سطحِ بحر صحیح ہے۔"

اگرچہ ہم پیچھے ایسی کئی تراکیب پیش کر چکے ہیں جو قاعدے سے غَلَط ہیں لیکن یہاں تو ہم سطح سمندر کے مرکّبِ اضافی ہونے کے قائل ہیں اور نہ فکِ اِضافت کے۔ یہ ایک عام مرکّب ہے جس میں دو اسما کو ساتھ ساتھ رکھ دیا گیا ہے۔ [اَب یہ اتفاق ہے کہ اِن میں ایک عَرَبی ہے اور دُوسرا اُردُو۔] انگریزی میں اِسم + اِسم کی تراکیب عام ہیں جیسے ریلوے اسٹیشن۔ چلڈرن ہوم۔ مطلب ریل کا اسٹیشن اور بچوں کا گھر۔ لیکن، اِس سلسلے میں اتنی دُور جانے کی کیا ضرورت ہے۔ سنسکرت اور پھر اُس کے طُفیل ہندی میں اِس قسم کی تراکیب بہت ہیں لیکن ہم نے کبھی غور نہیں کیا۔ مثلاً رام داس، گوپی ناتھ، دھرمارتھ [دھرم ارتھ] پہلی ترکیب کے معنی ہوئے رام کا داس، دُوسری کے گوپی کا مالِک اور تیسری کے دھرم کے لیے۔ پھر سطحِ سمندر میں خواہ مخواہ عَرَبی کو کیوں گھسیٹا جائے؟

"سُفلی ۔ع۔ (بالضمّ) ضدِّ عُلوی ...۔ اگرچہ سِفلی و سُفلی (بالکسر و بالضمّ) بمعنی پستی دونوں طرح آیا ہے مگر سُفلی بالضمّ ہی صحیح ہے۔..."

جب بالکسر بھی صحیح ہے اور اُردُو والوں نے سِفلی کو اپنا لیا ہے تو اسے غَلَط بتانا کہاں کا انصاف ہے؟

"سَکَنَہ ۔ع۔ بفتحتین (جمع ساکن) اِس کا اِستعمال بجائے واحد درست نہیں۔"

؎ انشا مرے آقا کی سلامی کو جھکے ہے   سُکّانِ سراپردۂ تقدیس کی ٹوپی

اگر سَکَنَہ ساکن کی جمع ہے تو یہ سُکّان کیا ہے اور ع: سنوائے ساکنان خطۂ خاک [جوشؔ] میں یہ ساکنان کیا ہے۔ بہر حال اُردو میں سَکَنَہ نہیں بلکہ سَکنہُ (بسکونِ کاف) واحد ہی مستعمل ہے۔

"سنگترا۔ کولا۔ میٹھی نارنگی [کھٹی ہو تو کیا کہیں گے؟] صحیح سَنترہ ہے اور سَنترہ دراصل اندلس کا ایک شہر ہے جو نارنگیوں اور کولوں کے لیے مشہور ہے۔ سنترہ سے سنگترہ ہوگیا۔"

اِس تاویل سے پہلے تو یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ ہمارے ہاں سنگترا سنترے سے آیا۔ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ اصلاً سنگترہ تھا [کہ صورتاً مثلِ سنگ اور سیر تا تر ہے اور ہ نسبت کے لیے] جو رفتہ رفتہ سَنترا ہوگیا۔ لسانیات بتاتی ہے کہ الفاظ میں جو آوازیں نحیف ہوتی ہیں امتدادِ زمانہ سے گر جاتی ہیں۔ یہ نہیں سُنا کہ قوی آوازوں پر نحیف آوازوں کا اضافہ بھی ہو جاتا ہے۔
بہر حال اُردو میں سنگترا بھی رائج ہے اور سنترا بھی جسے عموماً پنجابی لہجہ سمجھا جاتا ہے۔

"سِنین۔ ع۔ (سنہ کی جمع) بکسرِ سین ...."

سَنین بھی سُننے میں آتا ہے۔

"سِوا۔ ع۔ دراصل (سِوٰی) غیر۔جُز۔ بغیر۔ بجُز.... اُردو میں زیادہ فزوں۔"

اُردو میں بجُز اور فزوں دونوں معنی میں مستعمل ہے۔ ہمارا خیال ہے اصلاً فزوں کے معنی میں سَوا [جیسے سیر کو سَوا سیر میں] تھا۔ سِوا کی موجودگی سے رفتہ رفتہ وہ بھی سِوا ہوگیا۔ پنجابی میں اب بھی سَوایا رائج ہے۔

"سُوال۔ ع۔ مذکر۔ (ضدِ جواب) ..... (سُؤال ہمزہ کے ساتھ ہے۔ بغیر ہمزہ کے بھی سُوال کہتے ہیں۔ سَوال بفتح سین کہنا درست نہیں۔"

اُردو میں سَوال ہی کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی بہ تکلّف سُوال کہتا ہے تو اُسے دُرست نہیں سمجھا جاتا۔

"سوچ ۔ غلط ۔ (بلانون) صحیح مذکر ۔ غور و فکر [ظفر کے شعر سے سوچ کی سند دی گئی ہے]
لیکن سوال یہ ہے کہ اسے غلط کہنا کہاں تک روا ہے؟ یہ اپنے اپنے زمانے
کا چلن ہوتا ہے ۔ ذوق و ظفر کے عہد تک الفاظ میں غنائیت قائم تھی ۔
چناں چہ اگر دیوان ذوق مرتبہ حافظ ویران و انور وغیرہ کا مقدمہ دیکھیے جو
اُمراو مرزا انور نے لکھا ہے تو آپ کو اندازا ہوگا ۔ یہاں تک کہ کاسہ کو بھی
کانسہ لکھا گیا ہے ۔ دیوان کی کتابت بھی، چوں کہ انور نے کی تھی لہٰذا متن میں
بھی کانسہ ہی لکھا ملتا ہے ۔ ایک زمانے میں گھانس، چاؤل غنہ ہی سے
بولے اور لکھے جاتے تھے اب متروک ہو گئے ہیں ۔ [ہم نے قدما کے
ہاں دیناں تک پڑھا ہے ۔] جوش ملیح آبادی "یادوں کی بارات" میں کئی
الفاظ کو غنہ سے لکھتے ہیں ۔ ایک جگہ دھانس کا قافیہ گھانس باندھا ہے ۔
ویسے بھی قافیے کی وجہ سے کبھی کبھی الفاظ میں اس طرح کے تصرفات روا
رکھے گئے ہیں ۔ سانچ کو آنچ نہیں، آج بھی رائج ہے ۔ پہلے نونک جھونک
تھا ۔ بعد کو نوک جھونک لکھنے اور بولنے لگے اور بعضے تو نوک جھوک لکھتے
ہیں ۔ مطلب کہنے کا یہ ہے کہ اب سوچ متروک ہے اور سوچ رائج ۔ اب
کوئی سوچ نہیں لکھتا ۔ لہٰذا اندراج بے ضرورت ہے ۔

"سُہُولت ۔ ع ۔ مؤنث ۔ آسانی ۔ بالفتح سَہُولت غلط ہے ۔"

اُردو میں سہولت ہی کہا جاتا ہے ۔ بضمتین کوئی نہیں بولتا ۔

"سَیِّد ۔ ع ۔ امام ۔ پیشوا .... (اصل میں سَیْوِد تھا بعد تعلیل سیِّد (بکسر یاے مشدد)
ہوا ۔ اسی طرح جَیِّد بکسر یاے مشدد ہے ۔ لہٰذا سیّد، جیّد؛ طیّب، میّت بفتح یاے مشدد
کہنا غلط ہے ۔"

اُردو میں سیّد کوئی نہیں کہتا ۔ اسی طرح جیّد، طیّب، سب بالفتح بولتے
ہیں ۔ میّت البتہ کچھ مدت سے لوگ بولنے لگے ہیں لیکن میّت بھی متروک
نہیں ہوا ۔

"شادی ۔ ف ۔ خوشی ۔ شادی کتخدائی کے معنی میں اُردو ہے ۔ اِس کی اضافت کے ساتھ بہ طور فارسی شادیِ فرزند نہیں کہنا اور لکھنا چاہیئے ۔"

لفظ فارسی کا، دوسرے فارسی لفظ کے ساتھ اِضافت نہیں دے سکتے، کیوں ؟ معنی فارسی والے نہیں ۔ کتخدائی کے معنی بھی خوشی [ویسے فارسی میں خوشی نہیں دیکھا، وہاں خُوش ہے اَور معنی بھی مُسرّت نہیں اچھا کے ہیں] اَور بیاہ بھی ۔ شادی کے معنی فارسی میں خوشی یا مُسرّت ہیں ۔ پھر اِضافت پر قدغن کیوں ؟ ایران والے ہماری فارسی کو اِس لیے نہ مانیں کہ ہم اہلِ زبان نہیں ۔ خود ہمارے ملک والے اِس لیے نہ مانیں کہ اہلِ زبان کے ہاں یہ لفظ نہیں ہے ۔ جب اہلِ فارسی ہماری فارسی کو سبکِ ہندی کہہ کر تسلیم کر لیتے ہیں ۔ آپ بھی اِس قسم کی تراکیب کو سبکِ ہندی کہہ لیجیے ۔

"شائق ۔ع ۔ (شوق سے اِسم فاعل) شوق دلانے والا ۔ معشوق (شوق سے اِسم مفعول) معشوق ہے ۔ شوق دلایا گیا ۔ عاشق معشوق کی جگہ شائق نہیں کہنا چاہیے ۔ چوں کہ معشوق فارسی اُردو میں مُستعمل نہیں ہے ۔ اِس لیے شائق کی جگہ مُشتاق کہنا درست ہوگا ۔ فارسی والوں نے (شوق دارندہ) عاشق کے معنی میں اِستعمال کیا ہے ...."

اگر اِسم فاعل ہے تو شوق رکھنے والا کیوں نہیں شوق دلانے والا کیوں یہ بھی راشی مُرتشی قسم کی تشریح ہے ۔ کیا اِس کی سَند بھی قرآن میں ملتی ہے ؟ اِسم فاعل ہے لیکن معنی معشوق ہیں ۔ چہ عجب ۔ اِس معنی میں کوئی ایک سَند تو دِکھائیے ، اُردو سے ؛ فارسی سے ۔ اگر یہ مُمکن نہیں تو پھر جس طرح رائج ہے اُسے قبول کر لیجیے ۔ قواعد زبان کے طُفیل ہے زبان قواعد کی طُفیلی نہیں ۔

"شباہت ۔ عربی نہیں ہے ۔ فارسی والوں نے گڑھ لیا ہے ۔ اُردو میں بھی مُستعمل ہے ۔ بمعنی شکل وصورت ....."

قاموس الاغلاط کی تالیف کا مقصد غالباً یہ تھا کہ اُردو والوں کو اُن کی غلطیوں

کی طرف مُتوجہ کیا جائے۔ "عربی نہیں ہے، فارسی نہیں ہے" سے یہ مقصد پُورا نہیں ہوگا۔ عربی نہیں ہے نہ سہی۔ "اُردو میں بھی مُستعمل ہے" لیکن اِس میں کوئی غلطی نہیں تو پھر اِسے درجِ کتاب نہیں ہونا چاہیے تھا۔

"شُبہَہ۔ ع۔ مذکر۔ شک۔ شبہ (بروزن گُنہ) کہنا غلط ہے .... شُبہَہ (بروزن نقطہ) کہنا صحیح ہے .... شُبہَہ کی جمع (شُبہات) بضمتین ہے۔"

اِس میں شک نہیں کہ شبہَہ بروزن نُقطہ تھا اور تحریر میں اِس پر بیشتر عمل بھی کیا جاتا ہے لیکن گُفتگو میں اِسے قدَح، نظر کے وزن پر بولا جاتا ہے۔ جیسے وزن کو بھی وَزن بولا جاتا ہے۔ ادیب اور شاعر نسبتاً زیادہ قدامت پسند یا روایت پرست ہوتا ہے۔ وہ پرانی لکیر کا فقیر ہوتا ہے کیوں کہ انحراف کی صورت میں شہرت کا خطرہ مول لینا پڑتا ہے اور جہالت کا طعنہ بھی سُننا پڑتا ہے۔ چُناں چہ روایت سے انحراف بڑے دل گُردے کا کام ہے۔ لسانیات کا علم بتاتا ہے۔ کہ تحریری زبان میں تقریری زبان کی نسبت تبدیلی بہت آہستگی سے ہوتی ہے۔ بہرحال ہمیں عرض صرف یہ کرنا ہے کہ شُبہَہ بولا جاتا ہے شبہَہ اور جمع کو بضمتین کوئی نہیں بولتا۔ سب شُبہات کہتے ہیں۔

"شُتُر۔ ف۔ بضمتین۔ اونٹ۔ بعض شعراء نے سفر کمر کے قوافی کے ساتھ باندھا ہے جو غلط ہے۔"

ہم نے کہیں پیچھے لکھا ہے کہ بعض اوقات قافیے کی خاطر بھی الفاظ کے تلفُّظ میں تبدیلی کر لی جاتی ہے اور پھر وہی بدلی ہوئی صورت رائج ہو جاتی ہے۔ اُردو میں شُتُر بالاتفاق بفتح ثانی مُستعمل ہے۔ ہم نے کسی کو شُتُر بولتے نہیں سُنا۔

"شَجاعَت۔ ع۔ مؤنث۔ بفتح شین۔ دلیری۔ بہادری .... شُجاعت بالضم غلط ہے۔"

اُردو میں شُجاعت بالضم ہی بولا جاتا ہے۔ شَجاعت کوئی شاذ و بہ تکلف

ہی بولتا ہوگا لیکن جب شُجاع بہ ہر سہ حرکت: شِجاع، شَجاع درست ہے تو شُجاعت کو غلط بتانا اور شَجاعت کی صحت پر اصرار کرنا زیادتی ہے۔

فصیح اور دُرُست وہی ہوتا ہے جسے ایک زبان کے سب یا بیشتر بولنے والے بولیں نہ کہ کوئی مخصوص گروہ، فرقہ یا طبقہ استعمال کرے۔ فصیح غیر فصیح اور اہلِ زبان غیر اہلِ زبان کی بحث پیچھے گزر چکی ہے۔

"شحنہ۔ ع۔ وہ شخص جس کو بادشاہ انتظام اور لوگوں کی سیاست کے واسطے مقرر کرے۔ کوتوال۔ بالفتح غیر فصیح ہے۔"

اوّل تو غیر فصیح کو غلط نہیں کہہ سکتے کہ یہ اضافی امر ہے۔ ایک لفظ کسی خاص وقت یا عہد میں غیر فصیح ہو سکتا ہے لیکن کسی اور وقت وہی فصیح بھی ہو سکتا ہے۔ اِس لیے زندہ زبانوں میں قدامت پر اصرار کرنا مناسب نہیں۔ شحنہ کے سلسلے میں گلزارِ نسیم مُرتّبہ رشید حسن خان کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ نسیم کا ایک مشہور شعر ہے جسے ہم نے پُرانی طباعتوں میں اِس طرح پڑھا تھا:

شحنہ نے سُنا پکڑ بُلایا　　لے کر اظہار ساتھ لایا

[گیان چند جین کی "اُردو مثنوی شمالی ہند میں" یہ لفظ اِسی طرح لکھا ہے بے اعراب و غیر مُنصرف۔] مکتبہ جامعہ نے کتابوں کے معیاری اڈیشن شائع کرنا شروع کیے تو ترتیب و تصحیح کے لیے رشید حسن خان کی خدمات حاصل کیں۔ خان صاحب ہمارے محتاط و معتبر محققوں میں شُمار ہوتے ہیں۔ ہم نے اُن کا مرتّبہ گلزارِ نسیم کا اڈیشن دیکھا تھا۔ اُس میں مذکورہ شعر اس طرح چھپا ہے:

شحنے نے سُنا پکڑ بلایا　　لے کر اظہار ساتھ لایا

شحنے پر بالالتزام زبر لگایا گیا ہے۔ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ خان صاحب اِس کے اصل تلفّظ سے واقف نہیں یا اُنھوں نے اِس سلسلے میں لُغات کو

ضروری، کیوں کہ ملکی و رسمی (آفیشل) زبانِ اردو سے بخوبی وعمدگی واقف ہونا مسلّمات سے ہے۔"

مؤلفین ص ۸

[ص ۶۔۷۔۸۔ تمہید۔ نقل کالاصل]

مندرجہ بالا اقتباس طویل کیا، تمہید کا نصف حصّہ ہے۔ باقی نصف زبان کے آغاز وارتقا سے تعلّق رکھتا ہے اور اُس کا بھی قارئین تک پہنچنا ضروری ہے۔ لیکن اُس سے پہلے اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ مندرجہ بالا اقتباس میں ہم نے تحریف کے خوف سے کسی ترمیم کو روا نہیں رکھا۔ لہٰذا تمام حرکات وسکنات واوقاف جیسے چھپے ہیں ویسے نقل کر دیے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ اغلاطِ کتابت کو بھی بعینہٖ چھوڑ دیا گیا ہے۔ اب زبانِ اُردو سے متعلّق مؤلفینِ کرام کے ارشادات ملاحظہ ہوں:

"جب اسلامی علم ممالکِ عرب۔ جزیرہ۔ عراق۔ ایران وسیستان سے گزر کر سندھ اور ہند میں لہرایا اور اسی میں سیاسی واجتماعی غلبہ ہوا تو عربی وفارسی وترکی الفاظ کا نفوذ ہندی پراکرت بھاشاؤں پر ہونے لگا۔ یہ نفوذ ورج منڈل اور دکن پر زیادہ تر ہوا اور دو نئے لہجوں کا ظہور ہوا۔ ایک نئی غربی ہندی یعنی ورج (برج) اور دوسرا دکھنی کہلایا۔ غربی ہندی یا برج کا جو شاہ جہاں کے عہد میں کسی قدر اور متغیّر ہو کر اردو کے نام سے موسوم ہوئی اصلی دیس (وطن) ورج منڈل ہے۔ ابتدائے اسلامی حکومت اور علما وفضلاء کا مستقر اسی خطّہ میں واقع تھا۔ یہاں قدیم ورج (برج) عمومی زبان تھی جس کا نام غربی ہندی ہے اور فارسی وترکی سیاسی ورسمی زبانیں تھیں۔ تورانی فاتحین اور اُن کے متعلقین کی کثرت نے ان زبانوں کو بگڑنے سے مدت تک محفوظ رکھا۔ اس کے خلاف دکھن اولاً ایک دور دراز صوبہ تھا۔ پھر اس کو مقامی اقتدار اور (ص ۱) داخلی استقلال حاصل ہوا۔ یہاں مسلمان پہلے پہل ملکی وفوجی حکّام واشخاص کی حیثیت سے مقیم

پیش نظر رکھا ہوگا۔ البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُنھوں نے اُردو میں اِس کے چلن کو ترجیح دی۔ مُدّعا اِس طویل گفتگو سے یہ ہے کہ اُردو میں شَحنہ بالفتح ہی مُروّج ہے، بالکسر شِحنہ نہیں۔

"شریف الخاندان۔ شریف عربی۔ خاندان فارسی۔ اِس کی ترکیب (الف لام) کے ساتھ بطور عربی کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے۔ (قریب المرگ) کی طرح (شریف الخاندان) بھی غلط محض ہے۔"

فارسی پر عربی اضافت کے اطلاق کے اسباب پر ہم پیچھے بحث کر چکے ہیں۔ فی الوقت صِرف یہ عرض کرنا ہے کہ قریبُ المرگ اُردو میں جڑ پکڑ چکا ہے۔ اضافت کے لین دین کا جھگڑا عربی اور فارسی والے آپس میں نپٹاتے رہیں گے، ہمیں تو اُردو اور اُس کے چلن سے غرض رکھنی چاہیے۔

"شَغال۔ ف۔ بالفتح۔ گیدڑ۔ بالکسر درست نہیں۔"

اُردو میں اکثر شِغال بالکسر ہی سُنا جاتا ہے۔

"شُغل۔ ع۔ مذکر۔ (ضدِ فَراغ) مصروفیت.... یہ بالضم۔ بالفتح بضمتین۔ بفتحتین۔ چاروں طرح آیا ہے۔ بالضّم فصیح ہے۔"

اُردو میں پہلے شَغَل اور شُغُل سُنتے تھے۔ اِدھر کچھ برسوں سے شَغَل سُنا جا رہا ہے۔ جب عربی میں ہر چہار صورت آیا ہے تو اُردو میں شُغُل اور شَغل کے رِواج میں کیا قباحت ہے؟

"شِفاء۔ ع۔ مؤنث۔ (بالکسر) صحت.... شَفا (بالفتح) غلط۔"

چند برس پہلے تک اِسے صِرف شَفا [بالفتح] بولا جاتا تھا لیکن اِدھر کچھ برس سے [غالباً عُلما کے توجّہ دلانے کے سبب] پڑھا لکھا طبقہ شِفا بھی بولنے لگا ہے۔ عوام کی زبان سے اَب بھی شَفا سُنا جاتا ہے۔

"شُفعہ۔ ع۔ ہمسایگی۔ حقِ تقدُّم بیع....."

یہ قانونی اصطلاح ہو گیا ہے۔ وکیلوں کی زبانی اور عدالتوں میں شُفعہ [شُفا]

سننے میں آتا ہے۔

"شکر رنجی .... یہ لفظ اہلِ فارس کے کلام میں نہیں پایا گیا ... اُردو والوں نے فارسی سمجھ کر باضافت استعمال کیا ہے۔"

گویا اس کے بہ ترکیب اضافی استعمال کرنے میں کوئی غلطی یا قباحت نہیں ہے۔ اس لیے درج اغلاط کرنا بے ضرورت ہے۔ ویسے اُردو والوں نے شکر خند کے قیاس پر تراش لیا ہوگا جو وقت کے ساتھ رائج ہوگیا۔

"شُکرِیَہ۔ شکر۔ سپاس۔ بہ تشدید یا کہنا چاہیے۔"

قُدما کہتے ہوں گے۔ اب تو سب بہ تخفیف شُکریہ فاعلن کے وزن پر بولتے ہیں۔

"شکوہ۔ ف۔ مؤنث (بضم اول وثانی و۔ او مجہول) [کذا] مہابت۔ شان وشوکت.... بالکسر غلط ہے کیوں کہ کسرہ سے خوف۔ بیم کے معنی میں آیا ہے۔"

اُردو میں شِکوہ ہی بولا جاتا ہے۔ معنی شوکت، بیم کے معنی میں نہ کوئی بولتا ہے نہ جانتا ہے۔

"شکویٰ۔ ع۔ دعویٰ۔ گلہ۔ شکایت۔ فارسی والوں نے (شِکوہ) بنالیا جو اردو میں بھی مُستعمل ہے۔"

اُردو والوں نے فارسی کی پیروی کی۔ اب اگر غلط ہے، فارسی والوں سے شِکوہ کیجیے [اس کے لیے کتاب فارسی میں لکھ کر ایران بھجوانی تھی] اُردو میں تو شِکوہ ہی دُرست ہے۔ ویسے ہم نے ۲۵ - ۳۰ سال اُدھر طالب دہلوی کے مُنہ سے شکوا بھی سُنا ہے لیکن چلن میں نہیں آیا۔

"شِکیب۔ ف۔ مذکر۔ صبر۔ تحمل۔"

اُردو میں شکِیب بالفتح مُستعمل ہے۔

"شکیل۔ ع۔ بمعنیٰ خوبرو نہیں آیا اس لیے خوبرو کے معنی میں اس کا ترک اَولےٰ ہے اگرچہ ذوق نے لکھا ہے....."

بیچارے شکیل بدایونی کیا جانتے تھے ورنہ یہ تخلص نہ رکھتے ۔ اب تو مجبوری ہے۔

"شِمال ۔ عربی ۔ (بالکسر) دستِ چپ .... اُتّر .... اور شَمال بالفتح وہ ہوا جو اُتّر کی جانب سے آتی ہے ...."

یہ سب ٹھیک مگر اُردو والے شُمال بالضم بولتے ہیں ۔ البتہ اِدھر کسی کسی کی زبان سے شِمال بھی سُننے میں آجاتا ہے ۔"

"شمشیر ۔ ف ۔ (امرکب شَم بمعنیٰ ناخن اور شیر سے) لہٰذا یائے مجہول ہے .... اہل ایران کی زبان پر یائے معروف ہی ہے اِس لیے وہ اور اُن کی تقلید میں اہل اُردو بھی تیر و زنجیر سے قوافی کے ساتھ باندھتے ہیں ۔"

پھر غلطی کہاں ہے ؟ پنجابی میں البتہ اب بھی شمشیر بہ یائے مجہول ہے۔

"شَنبہ (بکسر یا وظہورِ ہا) ہفتہ کا پہلا دن ۔ نظامی (ہفت پیکر) ؎

از دِگر روزِ ہفتہ آن بِہ بود　　　نافِ ہفتہ مگر سہ شنبہ بود

.... اہلِ اُردو بخفائے ہا و بفتح با کہتے ہیں جو درست نہیں کیوں کہ اس کے معنی صہیل فرس (گھوڑے کی ہنہناہٹ) ہے ۔"

اہلِ اُردو "ہ" کو الف سے بدل کر بولتے ہیں شنبا [بروزن کھمبا] اور بیشتر اِس سے واقف نہیں کہ اِس طرح معنی گھوڑے کی ہنہناہٹ ہو جاتے ہیں ۔

"شَنَوا ۔ ف ۔ (بفتح شین و نون) سُننے والا ۔ فریاد رس ۔ اور شِنَوائی بکسرِ شین وسکونِ نون غلط ہے ۔ [کذا] ۔"

سکونِ نون اِس لیے کہ اِس پر تسکین الاوسط کا عمل ہو جاتا ہے ۔ رہی بکسرِ شین کی بات تو یہ عموماً بولا جاتا ہے بلکہ ہمارے یہاں تو اکثر شَنیدَن کو چوں کہ شُنیدَن بولتے ہیں ، اِس لیے شِنُوائی کے ساتھ ساتھ شُنُوائی بھی بولا جاتا ہے اور عوام نے تو اسے ہندیا کر سُنوائی کر لیا ہے ۔

"شوقین ۔ ا ۔ عامۃ الناس نے شوق سے بنا لیا ہے .... اِسی طرح فارسی میں (شوقی)

کہتے ہیں۔

شوقیہ۔ فارسی والوں نے بنالیا ہے۔ اردو کولے بھی کہتے ہیں۔

چلیے ایک لفظ شوقین تو اردو مانا گیا۔ عربی میں ہوں نہ ہوں، شوقیہ اور شوقین اُردُو کے الفاظ ہیں اور ان کے لکھنے بولنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھی جاتی۔ شوقی البتہ پنجابی میں ملتا ہے اور اس کی تانیث شوقن بھی۔

"شِہاب۔ ع۔ بالکسر۔ ٹوٹتا ستارہ.... فارسی میں بالفتح آبِ سرخ... جو لوگ (شہاالدین) بالفتح کہتے ہیں وہ سخت غلطی کرتے ہیں۔

اُردُو میں شَہاب ہی ملتا ہے، شہابِ ثاقب بھی اور شہابُ الدین میں بھی۔ شہاب آبِ سرخ یا مجرّد سُرخی کے معنی میں بھی اُردُو میں رائج ہے۔ جیسے میدہ شہاب رنگ۔

"صاحِب۔ ع۔ (بکسر حائے حطی) یار۔ صِحاب (بالکسر) وصَحَب بالفتح جمع اور اَصْحاب جمع الجمع [اُردُو میں صِحاب اور صَحْب کوئی نہیں جانتا۔ اَصْحاب ہی کو جمع مانتے اور بولتے ہیں۔ صَحابی البتہ اُردُو میں ہے اور یہ بھی واحد ہے کہ جمع صحابہ آتی ہے۔]...

فارسی والے ترکیب میں صاحب پر کسرہ نہیں لگاتے اور بسکونِ با (صاحب دل ....) لکھتے ہیں۔ اُردُو والے بسکونِ با (بفکِ اضافت) بطور شاذ اور بکسرِ با (بہ اضافت) اکثر لکھتے ہیں [حق یہ ہے کہ اُردُو میں بفکِ اضافت کا چلن زیادہ ہے اور مع اضافت کم۔ خود مرتبین نے تین مثالیں فکِ اِضافت کی اور دو معِ اِضافت کی دی ہیں] مرزا غالب نے بفتح حائے حطی (صَاحَب) لب۔ مکتب کے قوافی کے ساتھ باندھا ہے۔ اردُو بول چال میں تو سب بفتحِ حا بولتے ہیں البتہ لکھتے ذرا گھبراتے ہیں۔ غالب نے عام تلفّظ کی پیروی کی اور صاحب باندھ دیا۔ فتحِ حا کا چلن اتنا عام ہے کہ عوامی لہجے میں صَاحَب محض صَاب ہو کر رہ گیا ہے۔

"صَبِر۔ ع۔ بفتح صاد وکسرِ با...."

بہ کسرِ با نہ کبھی سُنا اور نہ غالباً ہم بول ہی سکتے ہیں۔ اُردو میں صَبر بولا جاتا ہے، ب ساکن اور ر موقوف۔

"صِحّت۔ ع۔ مونث۔ تندرستی۔۔۔۔ صحّت بلا تشدید کہنا اور لکھنا غلط ہے۔"

لکھنے میں یوں بھی اُردو والے حرکات و اعراب کے قائل نہیں۔ [خود آپ نے ہزار جگہ اوّل اور اول لکھا ہے۔] اپنی تساہُل اور عُجلت پسندی کی وجہ سے۔ اور بولنے میں تشدید کا استعمال کم بلکہ بہت ہی کم لوگ کرتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ اگر چند عالم لوگ تحریر میں ح پر تشدید نہ لگاتے تو شاید کسی کو اس کے مشدد ہونے کا علم ہی نہ ہوتا۔ البتہ اِس کا ازالہ تے بڑھا کر کر دیتے ہیں۔ یعنی اُردو والے عام طور سے صے حَت بولتے ہیں۔ عربی خوانوں کی بات دوسری ہے۔

"صَدر۔ ع۔ بالفتح۔ سینہ۔ بالانشیں۔ بفتح دال صَدَر کہنا غلطی ہے۔"

دال کو مفتوح کرنا غلطی ہوگی لیکن اُردو میں صَدر کے ایک معنی بڑے اور چھاؤنی کے بھی ہیں۔ انگریزی میں اس کا اظہار MAIN، HEAD اور HIGH سے کیا جاتا ہے۔ اب یہ مرکّبات دیکھیے: صَدر بازار، صَدر تھانہ، صَدر کچہری، صَدر دفتر۔ ان تمام مُرکّبات میں صَدر بولا اور لکھا جائے گا ـــــ کوئی صَدَر بازار اور صَدَر تھانہ کہہ کر گنوار کہلانا پسند نہیں کرے گا۔

"صَدَقہ۔ ع۔ مذکر۔ خیرات۔ وہ چیز جو خدا کے نام پر دی جائے۔۔۔۔ اکثر شعرا نے بسکونِ ثانی (صَدْقہ) کہا ہے۔ صَدَقہ بحرکات ثلاثہ کہنا ہی اولیٰ ہے۔"

صِرف اکثر شعرا ہی نے بسکونِ ثانی نہیں کہا بلکہ بالاتفاق بولا بھی صَدْقہ جاتا ہے۔ اس لیے ہمیں اَولویت سے بحث نہیں چلن سے غرض ہے۔

"صُعُوبَت۔ ع۔ بالضم۔ دشواری۔ بفتح اوّل صحیح نہیں۔"

ابتدائے لفظ میں پیش اُردو والوں میں کچھ زیادہ مقبول نہیں۔ اسی لیے

اکثر الفاظ جو بضمِ اوّل ہیں مفتوح ہو گئے ہیں اور صُعوبت کو بھی سب صَعوبت کہتے ہیں۔

"صِفر۔ ع۔ بالکسر.... (بفتح فا) صِفَر کہنا غلط ہے۔"

سب بولتے صِفَر اور لکھتے صِفر ہیں۔ کبھی لکھنے بھی لگیں گے۔

"صُنْدُوق۔ ع۔ بالضّم۔ معروف.... بالفتح (صَندوق) بھی آیا ہے...."

جب بالفتح صَندُوق بھی آیا ہے اور اُردو والے صَندوق ہی کہتے ہیں تو اس میں کوئی غلطی تو نہ ہوئی۔

"ضرُور۔ قاموس صُراح وغیرہ کسی لغت میں اِس کا وجود نہیں ہے۔ حالاں کہ ہندوستان میں عام وخاص کا روزمرّہ ہے۔ اِس کو مُہند کہنا چاہیئے۔"

اگر اِسے مُہنّد کہیں تو کس لفظ کا؟ بہر حال ہم اِسے اُردو مانے لیتے ہیں اور اگر یہ اُردو ہے تو پھر ضَرور اور ضرُور کو بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ اُردو والے ہر دو طرح بولتے ہیں۔

"ضرُوری۔ ع۔ (ضروریات جمع) لازم۔ بضم ضاد نہیں کہنا چاہیئے۔"

ہماری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی۔ اگر ضرُور بمعنی لازم کا وجود عربی میں نہیں ہے تو یائے نسبتی [آپ مصدری کہہ لیجیے] کا اضافہ کس پر کیا گیا ہے؟ کیا ضرورت پر! اگر ایسا ہے تو اسے ضرورتی ہونا چاہیے نہ کہ ضروری۔

"طَبَل۔ ع۔ بالفتح.... بفتح با (طبَل) غلط ہے۔"

دراصل مُصمتی خوشے [CONSONENTAL CLUSTERS] وہ ابتدائی ہوں یا آخری۔ اُردو کے مزاج کے خلاف ہیں۔ اس لیے عموماً ایسے خوشوں کو توڑ کر ان کے درمیان ایک مُصوِّتہ ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ اُردو کا عام مزاج ہے۔ لہٰذا ہم سب طَبَل کہتے اور طبل لکھتے ہیں۔ خدا جانے اُردو والے اِس تکلّف سے کب نکلیں گے؟

"طَرح ۔ ع ۔ بالفتح ۔ڈالنا ۔دور کرنا ۔ اردو میں بالفتح اور بفتحتین وضع طرز طور طریق ...."

اُردو میں طَرَح بفتحتین اور بسکونِ ثانی ہر دو صورت رائج ہے اور دونوں کی مثالیں خود آپ کے نقل کردہ اشعار میں موجود ہیں ۔ مگر چوں کہ کسی غَلَطی کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا اس لیے اِسے درجِ کتاب نہیں ہونا چاہئیے تھا۔ معنی میں کئی معنی درج کیے گئے ہیں لیکن فارسی میں طَرح کے ایک معنی بنیاد کے بھی ہیں جیسے اِس مصرعے میں : زمانہ طَرحِ محبت نہ ایں زماں انداخت

اور یہ اُردو میں بھی مستعمل ہے : طرح ڈالنا ۔ اس کے علاوہ ایک معنی ٹالنا اور ڈھیل دینا کے بھی ہیں ۔مثلاً طَرح دینا ۔

"طَرفۃُ العین ۔ع ۔ آنکھ کے پلکارے میں ۔ پلک جھپکانے میں ..... بالضم طُرفۃُ العین کہنا سخت غلطی ہے ۔"

یہ غَلَطی اکثر سُننے میں آتی ہے ۔

"طِلِسم ۔ ی ۔ مذکر ....."

اُردو میں طَلِسم بولا جاتا ہے ۔

"طُمَانیت ۔ع ۔ بالضم وکسرِ نون اول وسکونِ یا ....."

اِس طَرح کوئی نہیں بولتا ۔سب اُسی طَرح کہتے ہیں جسے غَلَط بتایا گیا ہے یعنی طَمَانیت ۔

"طُنبُور ۔ ۔ بالضم (معرب ذنب برہ) ایک ساز کا نام ۔"

بالضم کوئی نہیں بولتا۔طَنبُور بل کہ طَنبُورہ مشہور ہے غالباً یہ تان پُورہ یا تان پُورا کا مُعرّب ہے ۔

"طُوُل عُمرُہٗ ۔ اس جُملے کے کوئی معنی نہیں ۔ اس کی جگہ طَالَ اللہُ عُمرَہٗ (خدا اس کی عمر دراز کرے) طُوِّلَ عُمرُہٗ ۔ (اس کی عمر دراز کی جائے) کہنا اور لکھنا چاہیے ۔"

چاہیے تو بہت کچھ مگر ہم کرتے نہیں ہیں ۔ اُردو میں طوُل عُمرُہٗ ہی لکھا ملتا

ہے۔ عام بات چیت میں اس کی ضرورت نہیں پڑتی اس لیے کسی کو بولتے نہیں سُنا۔ عربی فارسی سے یوں بھی نئی نسل بیگانہ ہوتی جا رہی ہے۔ اپنی موت آپ مر جائے گا۔

"عادی۔ عربی میں نہیں آیا۔ بعض لُغات میں خوگر کے معنی میں پایا گیا۔ اولےٰ یہ ہے کہ اس کی جگہ معتاد کہا جائے ...."

ایک آدھ عالم کی تحریر میں معتاد نظر سے گزرا [تذکرہ گلستانِ سخن میں ذوق کے انتقال کی خبر میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ مگر وہاں معنی مختلف ہیں] لیکن سننے میں کبھی نہیں آیا۔ سب عادی بولتے ہیں۔

"عجلت۔ ع۔ بالکسر۔ شتاب۔ جلد۔ سُرعت۔ اس معنی میں عَجَلت (بفتحتین) بھی آیا ہے۔"

لیکن اُردو میں نہ عجلت بولتے ہیں نہ عَجَلت۔ سب عُجلت بضمِ اوّل کہتے ہیں۔

"عجز۔ ع۔ مذکر۔ ناتوانی۔ اس معنی میں بالکسر غلط ہے۔"

بعض لوگوں کو بہ تکلّف عِجز بولتے سُنا گیا ہے لیکن عام طور سے عجز ہی بولتے ہیں۔

"عدمِ بلوغت۔ غلط محض ہے۔ بلوغ خود مصدر ہے بمعنی رسیدگی۔ پھر اس پر تائے مصدری زیادہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

اِس قسم کے الفاظ پر پہلے اظہارِ خیال کیا جا چکا ہے۔ ہمیں مصدر کی نہیں اسم کی ضرورت ہے۔ آپ ت زائد سمجھ لیجیے۔ آخر اَور بھی تو کئی الفاظ ہیں جن میں ایک حرف زائد ہے اَور اردو میں مروّج ہیں۔

"عرصہ۔ میدان۔ بساطِ شطرنج۔ مدّت۔ دیر۔ فاصلہ۔ کے معنی میں اُردو والے استعمال کرتے ہیں۔"

جوشؔ ملیح آبادی جیسے کچھ گنے چُنے لوگ بمعنی مُدّت کے قائل نہیں تھے۔

حالاں کہ "خود نشۂ جتّا دھاری" جیسی تراکیب کو روا رکھتے تھے۔ مُدّت کے معنی میں یہ اُردو کا لفظ ہے۔ اور آج سے نہیں سو سال سے اوپر عرصے سے رائج ہے۔ غالب نے "جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا" جیسے مصرعے بھی کہے ہیں۔

"عَزل و نصب۔ ع۔ مذکر (بہر دو بسکونِ ثانی) عَزل بے کار کرنا۔"

عَزل جس طرح لکھا ہے ہمارے لیے بولنا ممکن نہیں۔ ہاں آگے عَزل لکھا ہے۔ یعنی ع مفتوح ز ساکن۔ اُردو میں عُزل بالضم بھی سُنا جاتا ہے۔

"عزیز۔ ع۔ کم یاب۔ ارجمند۔ آرزومند۔ قادر۔ غالب۔ اسمائے حسنیٰ میں سے ایک نام۔ اردو میں پیارا۔ محبوب۔ لاڈلا۔ مرغوب۔ عمدہ۔ بیش بہا۔ صاحب رتبہ۔ رشتہ دار۔ قرابت دار یار۔ دوست۔ امیر ؎

سو دلے زلف میں ہیں عزیز جہاں ہوا ایسا مزا ملا کہ پھر اسانپ ڈس کے گرد"

اِس لفظ میں کسی غلطی کی طرف اِشارہ نہیں کیا گیا۔ ہمیں بھی نظر انداز کر دینا چاہیے تھا۔ ہم نے محض مثال کے شعر میں عزیزِ جہاں کی ترکیب کی وجہ سے ذکر کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ عزیز بمعنی پیارا، محبوب اُردو ہے۔ فارسی ترکیب کے ساتھ مولفین کے مذہب کے مطابق غلط ہوا لیکن اسے جائز سمجھا گیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اِس قسم کے کئی مرکب ہیں جن پر اسی کتاب میں اعتراض کیا گیا ہے۔ وہ سب بھی نامناسب ٹھہرے۔ شکر رنجی سے مرکب اضافی بنانے پر اعتراض کیوں؟ اور عزیزِ جہاں کا جواز کیا ہے؟ چلن، جی ہاں چلن۔ بہت کچھ ہماری نظر میں نہیں آتا اور لاعلمی میں ہم اُسے روا رکھتے ہیں۔ جو ہمارے علم میں آجاتا ہے اُس پر اعتراض جڑ دیتے ہیں۔ اصول ایک ہونا چاہیے۔ کٹ حجتی میں ہماری اپنی زبان کا نقصان ہے۔ اِس لیے چلن کو قبول کر لینے میں ہماری اور ہماری

زبان دونوں کی بھلائی ہے۔

"عُطارِد۔ ع۔ بضم عین وکسرِ را..... بفتح را (عطارَد) غلط ہے۔"

اُردو میں عَطَارَد بولتے ہیں۔ بل کہ ع کا ضمّہ ر پر منتقل کرکے بھی بولتے ہیں۔ عطارُد۔ بکسرِ را ہم نے تو نہیں سُنا۔

"عِظام۔ ع۔ بالکسر۔ بزرگان (عظیم کی جمع) عظیم وعُظام (بضم عین) بمعنی بزرگ۔ بصورت جمع عَظام وعُظّام۔ بجائے عِظام کہنا غلط ہے۔"

عُظام اگرچہ واحد ہے لیکن اُردو والے بالتشدید عُظّام جمع کے طور پر بولتے سُنے گئے ہیں۔ عِظام بالکسر کبھی سننے میں نہیں آیا۔

"عقیل۔ ع... عربی میں عقیل بمعنی عاقل نہیں آیا۔"

اُردو میں آتا ہے۔ کیا زبان سے خارج کردیں؟ ڈاکٹر سید محمد عقیل متوجہ ہوں۔

"عَلاقَہ۔ ع۔ (بالفتح)....."

بے شمار معنی دیے ہیں لیکن کوئی غلطی نہیں بتائی گئی۔ ہمیں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اُردو والے عِلاقہ بکسرِ عین بولتے ہیں۔

"عِلاوَہ۔ ع۔ بالکسر۔ بالائے سروگردن۔ ہر وہ چیز جو کسی پر زیادہ کریں...."

اِس لفظ سے متعلق ہمارا تجربہ دِل چسپ ہے۔ پنجاب، جموں وغیرہ علاقوں میں سب عِلاوہ بکسرِ عین بولتے ہیں۔ ایک دن ہمارے ایک عَربی خواں حبیب فرمانے لگے "یہ کیا عِلاوہ عِلاوہ کرتے رہتے ہیں۔ عَلاوہ بولنا چاہیے۔ اَب فرمائیے ہم عَربی مَداں اُنھیں کیا کہتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُردو والے بالعموم عَلاوہ عین کے فتحے سے بولتے ہیں اور یہ اتنا عام ہوگیا ہے کہ اس کے برعکس غَلط لگتا ہے۔

"عَلیل۔ بیماری کے معنی میں کلامِ عرب میں البتّہ آیا ہے۔ لیکن علالت بمعنی بیماری عربی میں نہیں ہے۔ علّت کے معنی ہیں بیماری۔ وجہ سبب۔"